OCTOBER 21, 1982

نہ لاؤ کبھی یاس کی گفتگو ، کہ کفراں میں آیا ہے لا تقنطوا

EDITOR Sohail Akhtar

THE MESSENGER

FORTNIGHTLY NEWSPAPER

پیغامبر

اسکاربرو (کینیڈا)

مدیر : سہیل اختر

PERSONNEL

Phone: 416-282-6671

100 CARONIA SQUARE, SCARBOROUGH, ONTARIO, CANADA M1B 2Z8

REPRESENTATIVE

F. J. Kowalski,

Phone: 416-922-5268

پہلا ایف ۱۶ طیارہ پاکستان کے حوالے کر دیا گیا

طیارہ ایک پروقار تقریب میں پاک فضائیہ کے اعلیٰ افسر نے وصول کیا

* ۴۰ میں سے ۶ ایف ۱۶ طیارے اس سال دسمبر میں پاکستان پہنچ جائیں گے

فورٹ ورتھ (ٹیکساس) (اے پی) امریکہ نے پاکستان کو جن ۴۰ ایف ۱۶ طیاروں کی فراہمی پر آمادگی ظاہر کی تھی ان میں سے پہلا طیارہ آج پاک فضائیہ کے ایک اعلیٰ افسر کے حوالے کر دیا گیا ہے پاک فضائیہ کے نمائندہ کی اطلاع کے مطابق جو دلکشی والے اس طیارہ کا رنگ سرمئی ہے اور اسے "فلائنگ فالکن" کا نام دیا گیا ہے اس طیارہ پر پاکستان ایئر فورس کا نشان کندہ ہے اس طیارے کو دسمبر میں چھ دوسرے ایف ۱۶ طیاروں کے ساتھ پاکستان روانہ کر دیا جائے گا ان طیاروں کو امریکی فضائیہ پائلٹ ہی اڑا سکیں گے۔ طیارہ کی پہلی پرواز اگست میں ہوئی تھی طیارہ ٹی اے ایف پراجیکٹ فالکن ڈائریکٹر ایئر کموڈور حکیم اللہ نے وصول کیا اور اس سلسلہ میں پروقار تقریب فورٹ ورتھ ڈویژن آف جنرل ڈائنامکس میں منعقد ہوئی جس میں تقریب میں امریکہ میں پاکستان کے سفیر لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) اعجاز عظیم بھی موجود تھے جبکہ امریکی فضائیہ کی نمائندگی جنرل ایڈورڈ شاہ، اسسٹنٹ ڈپٹی چیف آف سٹاف برائے پروگرام اور سابق بریگیڈیئر جنرل جارج ایل مونیہان جونیئر ڈپٹی برائے ایف ۱۶ اور کرنل شاہ ... اعلیٰ امریکی افسران نے کی۔

پاک فضائیہ کا پہلا ایف ۱۶ اسکواڈرن سرگودھا میں تیار کیا جائے گا۔ طیاروں کو پاکستان کے ... اور انجینئرز نو ماہ سے امریکہ میں زیر تربیت ہیں اور ایف ۱۶ طیاروں کے سرگودھا پہنچنے سے قبل پاکستان واپس آ جائیں گے ایف ۱۶ طیارے جنوری ۱۹۷۹ء میں امریکی فضائیہ میں شامل ہوئے تھے اور اب تک وہ لاکھ فلائنگ گھنٹے پورے کر چکے ہیں

حکیم محمد سعید مستعفی ہو گئے

راولپنڈی ... (اے پی پی) صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ... صدر نے ... حکیم محمد سعید کا استعفیٰ منظور کر لیا ہے ... نوٹیفکیشن جاری ہو چکا ہے ... استعفیٰ منظور کر لیا گیا ہے۔

ملتان میں فحش اور ننگی فلمیں دیکھنے والے افسران کو
قید با مشقت، جرمانہ اور کوڑوں کی سزا

ملتان۔ گزشتہ ماہ ملتان میں ایک شخص کے مکان پر بھارت کی فحش اور ننگی فلمیں دیکھنے والے افراد کو جن میں ایک صنعت کار، مجسٹریٹ، ڈاکٹر، انجینئر اور خواتین بھی شامل تھیں۔ سرسری فوجی عدالت نے بھاری جرمانوں، کوڑوں اور سزائے قید با مشقت کا حکم سنایا ہے۔ عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں مجرموں کی جائیدادیں ضبط کر کے جرمانہ کی رقم پوری کی جائے گی۔ سزا پانے والوں میں میاں احمد ملتان کے صنعت کار ہیں انہیں پانچ لاکھ جرمانہ اور ایک سال قید با مشقت اور ۱۵ کوڑوں کی سزا دی گئی۔ انجینئر عبدالحفیظ کو ایک سال قید با مشقت اور تین لاکھ جرمانہ اور ۱۵ کوڑوں کی سزا دی گئی۔ ریاض بیگم کو ایک سال قید با مشقت اور پانچ لاکھ جرمانہ کیا گیا۔ ابیاد ... کے مجسٹریٹ عبدالغفور کو ایک سال قید با مشقت تین لاکھ روپے جرمانہ اور ۱۵ کوڑوں کی سزا دی گئی۔ نشتر میڈیکل کالج کے ڈاکٹر محمود احمد کو ۱۵ کوڑے ایک لاکھ روپیہ جرمانہ اور ایک سال قید با مشقت کی سزا دی گئی۔ ٹھیکیدار محمد شفیق اور حجمون تاجر اشتیاق احمد کو ایک ایک سال قید با مشقت اور بالترتیب تین لاکھ روپے اور ایک لاکھ روپے جرمانہ اور پندرہ پندرہ کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا۔

اس شمارے میں

بھٹو خود فوج کی اقتدار میں آئینی شمولیت کے حامی تھے

صفحہ : ۴

ٹائم ٹیبل

انتخابات کی امید — تخریب کاری کا انسداد

امریکہ کی بد عہدی — اندرا گاندھی کا دورۂ روس

وقت کی اشد ترین ضرورت ملک کی بھلائی ہے

تحریر : ایم بی سکندر

صدر ضیاء کے اس اعلان کے بعد کہ انتخابات ضرور ہوں گے عوام کی امیدیں ایک دفعہ پھر زندہ ہو گئی ہیں۔ گو اس وعدے کی تکمیل تک ابھی کتنے ہی مرحلے باقی ہیں اور ہر مرحلہ اس امید کا گلا گھونٹ سکتا ہے۔ بعض حلقے اس اعلان کو بھی اگرچہ امریکہ کو ایک اور یقین دہانی کا عمل سمجھتے ہیں کیونکہ آج کل سینٹ میں پاکستان کی امداد کا سوال زیر غور ہے اور با اثر امریکی حلقے یہ کہتے نہیں تھکتے کہ پاکستان کو امداد دینا اس ملک میں آمریت کو مضبوط کرنے کے مترادف ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب حکومت کے لئے انتخابات کرائے بغیر چارہ نہیں اگرچہ اس میں بھی وہ من مانی شرائط عائد کرے گی۔ سیاست دانوں کی طرف سے اس دفعہ سوائے ایک شرط کے یعنی یہ کہ انتخابات متناسب نمائندگی کے اصول پر قابل قبول ہوں گے اور کسی شرط کو منظور کئے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس دفعہ اس اختلاف کو آڑ بنا کر حکومت کے لئے انتخابات کو ملتوی کرنا آسان نہ ہوگا۔ کیونکہ جمہوریت کی بحالی میں خود امریکہ دلچسپی لے رہا ہے۔ گو ایسے طور طریقے برآمد کئے جانے کی بھی قوی امید ہے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ اس لئے مستقبل قریب میں عام انتخابات کرائے جانے کی قوی امید ہے۔ اور اس کا قطعی فیصلہ صدر مملکت کے دورۂ امریکہ کے دوران ہی کیا جائے گا۔

اس وقت حکومت بیرونی خطرات سے عوام کو ڈرا کر اپنا کام چلاتی رہی ہے لیکن اب اندرون ملک بھی "سب اچھا" کا نعرہ لگانا ... نہیں رہا۔ تخریب کاری کے سنگین واقعات نے واضح کر دیا ہے کہ اندرون ملک سے بھی وطن عزیز کو بیرونی خطرات سے کم خطرات در پیش نہیں۔ اس وقت مندرجہ ذیل مسائل سر فہرست ہیں۔

* تخریب کاری کا خاتمہ
* عوام کے مطالبہ انتخابات کی پذیرائی اور عملی اقدامات۔
* امریکی بے وفائی اور بد عہدی کا ازالہ۔
* منشیات کی سمگلنگ کے داغ کو دھونا۔
* بہتر تعلقات پر بھارت کو مجبور کرنا۔
* اسلامی ممالک کے ساتھ پیدا شدہ تلخی کو دور کرنا۔

اندرون ملک دہشت گردی اور تخریب کاری کے واقعات نے جس طرح شدت اختیار کی ہے اس پر عوام اور حکومت برابر فکر مند ہیں۔ یہ تخریب کاری دو قسم کی ہے یعنی گورنمنٹ املاک کا نقصان، قتل اور لوٹ مار کی وارداتیں۔ حکومت اول اول املاک کے نقصان کی مختلف فنی وجوہات بیان کرتی رہی۔ لیکن جب حکومت کے طرف دار شخصیات کو دھمکی آمیز خطوط موصول ہونے لگے اور ان پر عملدرآمد بھی کیا گیا تو حکومت کا ماتھا ٹھنکا اور اس نے جرائم اور ڈکیتی کے واقعات کو بھی تخریب کاری میں شامل کر دیا۔ آخر یہ ڈاکو اور راہزن راتوں رات کہاں سے پیدا ہو گئے ہیں اور ان سرگرمیوں سے ان کا مطلب کیا ہے۔ یہ تمام سرگرمیاں در حقیقت عوام کے عدم اطمینان کا مظہر ہیں جو سمجھتے ہیں کہ مارشل لاء نے ان کے بنیادی حقوق لوٹانے میں دیر کر دی ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ اب بھی حکومت تخریب کاری کے سد باب میں پوری طرح سرگرم عمل نہیں ہے۔ اور اہم شخصیات کے لئے حفاظتی انتظامات کرنے کے علاوہ اس نے ان لوگوں کے خلاف کوئی سرگرم کارروائی نہیں کی۔ صدر مملکت صاحب نے فرمایا ہے کہ ایسے واقعات ہر ملک میں ہوتے رہتے ہیں اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ اور عزیز ... اخلاق

(باقی صفحہ ۸ پر)

اب دیر ہو چکی ہے

پشاور ... باخبر ذرائع کے مطابق نیپال ... کی حکومت نے کچھ عرصہ قبل نیپال ... میں ریلوے کے نظام کو بہتر بنانے کے لئے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ پاکستان سے کچھ تجربہ کار افراد کو نیپال بھجوایا جائے۔ لیکن معلوم ہوا ہے کہ نیپال ... کی یہ درخواست یہاں کافی دن تک نوکر شاہی کے سرخ فیتے کا شکار رہی۔ اور معاملہ جب یہ فیصلہ ہوا کہ نیپال ... کی حکومت کو ریلوے کے متعلقہ افراد کی خدمات پیش کر دی جائیں، اور نیپال ... کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ اب دیر ہو چکی ہے اور اس سلسلے میں بھارت سے انتظام کر لیا گیا ہے۔

بیگم بھٹو کو علاج کے لئے بلا تاخیر
بیرون ملک جانے کی اجازت دی جائے: جنرل ٹکا خان

راولپنڈی ... پیپلز پارٹی کے ... سابق وزیر ... پیپلز پارٹی کے ایڈیشنل سیکرٹری جنرل ریٹائرڈ جنرل ٹکا خان نے حکومت سے اپیل کی ہے کہ بیگم نصرت بھٹو کو علاج کے لئے بیرون ملک جانے کی فوراً اجازت دی جائے۔ اور اس امر کی تحقیقات کرائی جائے کہ اس معاملے میں اتنی تاخیر کیوں ہوئی ہے ریٹائرڈ جنرل ٹکا خان نے اپنی رہائش گاہ سے ایک بیان میں کہا ہے کہ بیگم نصرت بھٹو صرف علاج کے لئے بیرون ملک جانا چاہتی ہیں ان کے بیرون ملک جانے کا مقصد سیاست کرنا نہیں ہے انہوں نے کہا کہ بیگم نصرت بھٹو بیرون ملک علاج کرانے کے بعد فوری طور پر وطن واپس آ جائیں گی۔ کیونکہ وہ زیادہ دیر تک اپنے وطن اور اپنے عوام سے دور نہیں رہنا چاہتیں۔ ریٹائرڈ جنرل ٹکا خان نے کہا کہ بیگم نصرت بھٹو کے طبی معائنے کی رپورٹ اور ان کی درخواست خصوصی طور پر متعلقہ حکام تک پہنچائی گئی تھی تاکہ ان کے بیرون ملک جانے میں تاخیر نہ ہو کیونکہ ان کی بیماری جان لیوا بھی ثابت ہو سکتی ہے لیکن نامعلوم وجوہات کی بنا پر ابھی تک انہیں بیرون ملک جانے کی اجازت دینے میں تاخیر کی جا رہی ہے۔ ٹکا خان نے مزید کہا کہ بیگم بھٹو کو باہر جانے کی اجازت نہ دینا کسی طرح سے بھی اسلام، انصاف اور اخلاق کے اصولوں کے مطابق نہیں ہے۔

ظہور الٰہی کے قتل کے مقدمے کی سماعت شروع ہو گئی

لاہور ... لاہور میں ایک فوجی عدالت میں مسلم لیگی لیڈر ظہور الٰہی کے قتل کے مقدمے کی سماعت دوبارہ شروع ہو گئی ہے اب تک اس قتل کے سلسلے میں ۴ افراد گرفتار کئے جا چکے ہیں

پاکستان میں ایران کی طرح نیا سیاسی کھیل شروع ہونے والا ہے

بلوچستان کے عوام کی نگاہیں ایران اور افغانستان کے حالات پر لگی ہوئی ہیں

راولپنڈی۔ بلوچستان سے دس ہزار افراد فرار ہو کر افغانستان جانے والے ابھی تک واپس نہیں آئے جبکہ ایرانی بلوچستان کے علاقے سے ۷ ہزار ایرانی بلوچستان آ گئے ہیں۔ اس بات کا انکشاف بلوچستان کے سابق گورنر نواب اکبر خان بگٹی نے اسلام آباد کے ایک اخبار کو انٹرویو میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں بھی ایران کی طرح موجودہ سیاست کی بساط الٹنے والی ہے جس میں تمام کھلاڑی نئے ہوں گے۔ اور ان نئے کھلاڑیوں کو ابھی تک کوئی نہیں جانتا۔ جس طرح ایران میں انقلاب سے پہلے آیت اللہ خمینی، سزائے موت پانے والے صدر صادق قطب زادہ کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ نئے سیاسی کھیل کے لئے میدان تیار ہو چکا ہے اس کھیل میں کسی پرانے سیاستدان کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا انہوں نے کہا کہ بلوچستان کے عوام کی نگاہیں اب افغانستان اور ایران میں ہونے والے حالات پر لگی ہوئی ہیں انہوں نے مزید کہا کہ پاکستان میں صرف ایک بار غیر جانبدارانہ انتخابات یحییٰ خان کے دور میں ہوئے جن کو پہلا اور آخری انتخاب کہا جا سکتا ہے۔

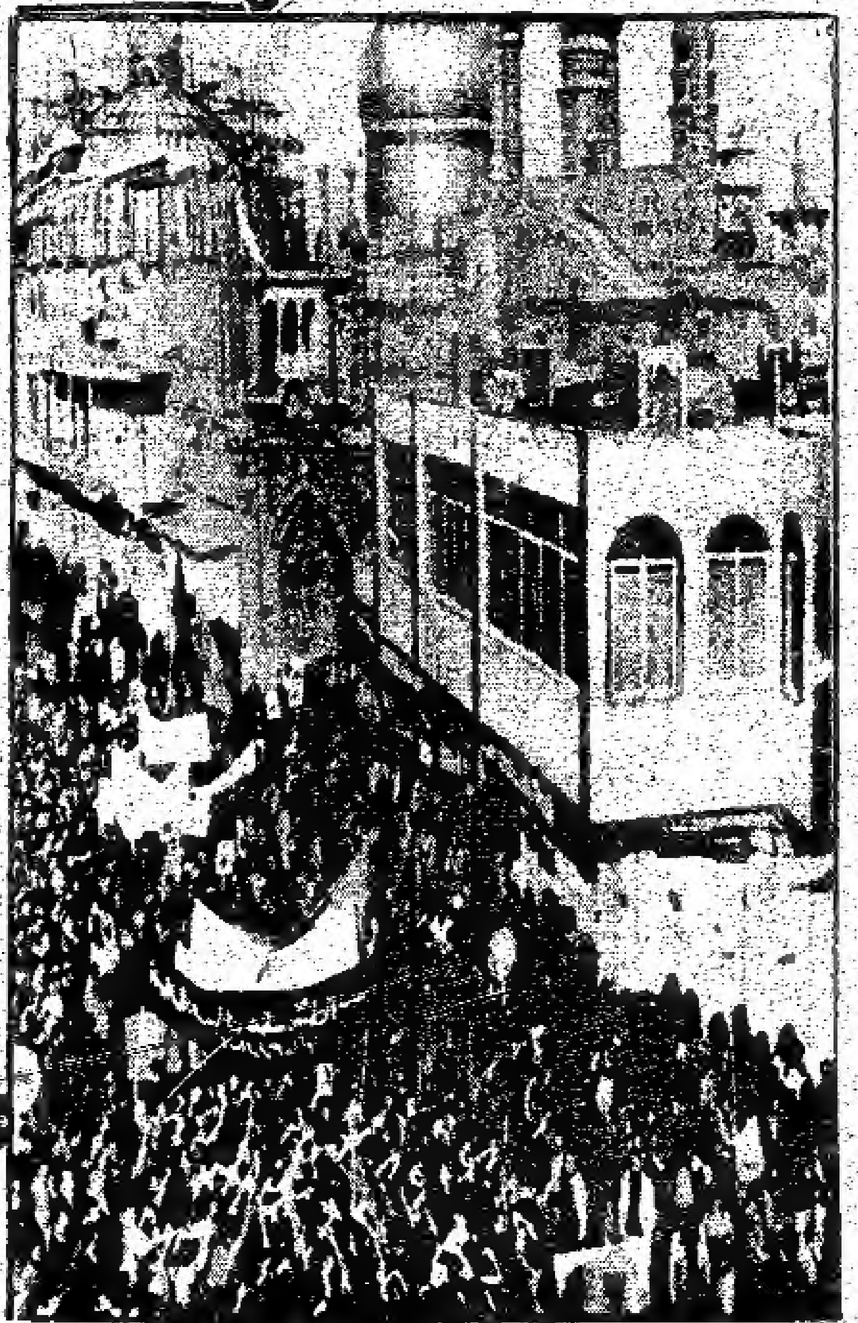
انہوں نے کہا کہ غیر جماعتی سطح پر انتخابات محض ڈھونگ ہوگا۔ اور یہ الیکشن نہیں سلیکشن ہوگا اس طرح انتظامیہ اپنی مرضی کے امیدوار سامنے لائے گی۔ اس وقت جو بلوچ سردار حکومت کے ساتھ شامل ہیں انہیں عوام کی کوئی حمایت حاصل نہیں۔ انہوں نے اپنے بھائی اور سابق وزیر خزانہ بلوچستان کے ذریعے حکومت سے رابطہ قائم کرنے کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ وہ محض حکومت اور پی این پی کے درمیان رابطے کا کام کر رہے ہیں انہوں نے مزید کہا کہ اس وقت ملک میں کوئی سیاست نہیں اور نہ کوئی سیاسی صورت حال ہے۔ البتہ ملک میں ایک خلا ہے۔ اگر حکومت یہ سمجھتی ہے کہ سیاسی خلا اس کی کامیابی ہے تو یہ حکومت کی کوئی کامیابی نہیں۔ ایم آر ڈی کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ لوگ خوش فہمی میں ہیں۔ اب پرانے کھلاڑیوں کو کھیلنے کا موقع نہیں ملے گا۔ اب صرف نیا کھیل اور نئے کھلاڑی ہوں گے۔

موجودہ سیاست کی بساط الٹنے والی ہے۔ جس کے تمام کھلاڑی نئے ہوں گے جن کو کوئی نہیں جانتا۔

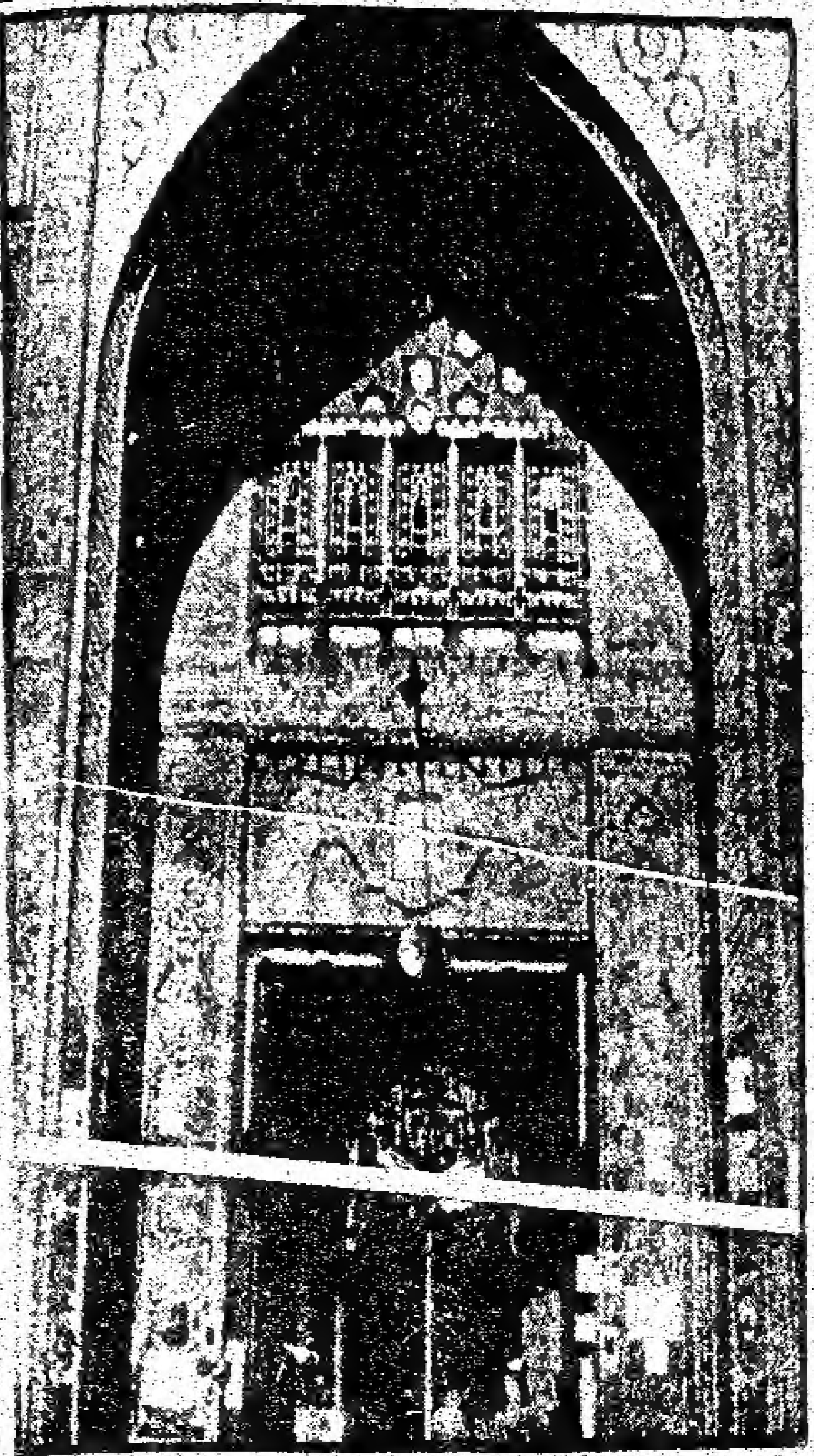
فلسفۂ شہادت

تحریر:۔ منیر سجاد

اگر ہم تاریخ عالم کا بغور مطالعہ کریں تو ہمیں ایسے واقعات بہت زیادہ ملتے ہیں جنہوں نے نہ صرف اپنے وقت کے حالات اور تاریخ کا رخ پھیر دیا بلکہ بعد میں آنے والے کروڑوں انسانوں کے ذہنوں اور دلوں کو بھی بے حد متاثر کیا ہے۔ ان عظیم واقعات میں سے سانحۂ کربلا ایک



شہید کربلا
امام حسین علیہ السلام
نے فتح و شکست
کے مفہوم کو یکسر
بدل دیا!



روضۂ امام حسین کا ایک اندرونی منظر

بھی عظیم ترین دکھائی دیتا ہے۔ اور یہ واقعہ اپنے اندر گوناگوں خصوصیات کا حامل ہے۔ اس عظیم واقعے کی وجہ سے تاریخ اسلام بلکہ دنیا کی تاریخ کے دھارے کا رخ بدل گیا۔

دنیا کی تاریخ میں دوسرے ایسے واقعات ہیں سے معرکۂ کربلا حق و باطل کا ایک ایسا انوکھا تصادم ہے جو دنیا کے دوسرے تمام ایسے معرکوں سے بالکل جدا ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے دشت کربلا میں فتح و شکست کے عنوان اور مفہوم کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ ظاہری اعتبار سے امام حسین علیہ السلام اور ان کے تمام ساتھیوں کو شہید کر دیا گیا۔ خانوادۂ رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی مستورات کو قیدی بنا لیا گیا۔ اور یزید بظاہر فاتح دکھائی دیتا ہے۔ مگر کیا کوئی اس سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ امام عالی مقام کو شکست اور نعوذ باللہ یزید کو فتح حاصل ہوئی۔ کیونکہ دنیا کی کسی بھی لغت میں قتل ہو جانے کے معنی شکست اور قتل کر دینے کے معنی فتح قطعاً نہیں۔ بلکہ فتح کے معنی ہیں حصول مقصد میں کامیابی اور شکست کے معنی حصول مقصد میں ناکامی۔ کربلا کے میدان میں اسلام پر یلغار کرنے والی باطل قوتوں کو شکست فاش ہوئی۔ اور نواسۂ رسولؐ نے اپنا سر کٹوا کر اسلام کو سربلند کر دیا۔ امام عالی مقام اپنے مشن میں مکمل طور پر کامیاب ہو گئے۔

معرکۂ کربلا ایک نظریاتی تصادم تھا اس جنگ کے مرکزی کردار امام حسین علیہ السلام تھے۔ جن کے نام نامی اسم گرامی سے کون واقف نہیں حسب نسب سے آپ منبع فخر کریں۔ فخر موجودات سرور کائنات میلاد مبارک کے نواسے تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا آپ کے پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی ولادت ہوئی تو حضور پاک صلعم خود تشریف لائے اور حضرت صفیہؓ کو آواز دے کر فرمایا کہ میرا بیٹا میرے پاس لاؤ۔ دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔ اور حسینؑ نام تجویز کیا۔

نوتی بگرامی نے اپنی تصنیف "ذریح عظیم" (جعفر ۱۲۳۵ء) میں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک حدیث رقم کی ہے کہ آنحضرتؐ مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ امام حسینؑ تشریف لائے اور آنحضرت صلعم کی آغوش مبارک میں بیٹھ گئے اور اپنی انگلیاں آپ (صلعم) کی ریش اقدس میں ڈال دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے منہ کو کھولا اور اپنا منہ آپ کے منہ پر رکھا، پھر فرمانے لگے، پروردگار میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب رکھ اور اس کو محبوب رکھ جو اس کو محبوب رکھے۔

علامہ ابن سعد نے طبقات کبریٰ میں واقعہ درج کیا ہے کہ امام حسنؑ اور حسینؑ کے ساتھ نوزائدہ خاندان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی بچوں کی طرف کوئی فرمائش کی جاتی تو آپ اس وقت تک چلے جاتے ہیں رہتے جب تک اسے پوری نہ کر لیتے۔ ایک بار ام المومنین حضرت عائشہ کے گھر سے نکل کر جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے دروازے پر سے گزر رہے تھے تو امام حسینؑ کے رونے کی آواز سنی تو آپ صلعم فوراً گھر میں داخل ہوئے اور فرمایا "فاطمہ کیا تم نہیں جانتیں کہ اس کے رونے سے میرا دل دکھتا ہے۔"

لیکن حضرت نسبی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی فرزندی ہی جناب حسین علیہ السلام کے لئے فخر و مباہات کا باعث نہ تھی اور نہ ہی رسول اکرم انہیں اپنا نواسہ ہونے کی وجہ سے اتنا محبوب رکھتے تھے۔ بلکہ حضور نبوت جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستقبل کا مشاہدہ کرنے کی قوت بھی حاصل تھی اس پر یہ چیز روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ آپؑ کا نواسہ دنیا میں وہ کام کرے گا کہ تاریخ انسانی کے افق پر قیامت تک سورج کی طرح روشن رہے گا۔ امام حسینؑ نے دین اسلام کی آبیاری اپنے اور اپنے خاندان کے خون سے اس طرح کی کہ پھر کسی کو آج تک اس میں تحریف کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

جب تاریخ میں اس دور کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں امام حسینؑ کی ذات عالی ایک ایسا روشنی کا مینار دکھائی پڑتی ہے جس کی کرنوں نے اتھاہ ظلمتوں میں حق کی ضیاء باشی کر دی۔ امام پاک ایک سحاب رحمت تھے کہ جو کہ جلا دینے والی تپتی ہوئی ریت پر ٹوٹ کر برسا اور جسے گرد رنگ زار اور گلزار بنا گیا۔ یزید کے دور میں انتہائی ظالم و جابر حکمرانوں کی طرح اس دور میں جبر و استبداد سے کام لیا جاتا تھا کہ قوم کی قوت احساس اور جرأت اظہار مفقود ہو جائے اور تعلیمات اسلامی بالکل مسخ ہو کر رہ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ دور یزید میں لوگوں نے یہ سوچنا چھوڑ دیا تھا کہ حکومت جائز ہے یا ناجائز۔ اور بالفرض کوئی سوچنے کی زحمت گوارا بھی کر لیتا تو اظہار کی جرأت نہیں تھی۔ اور امام حسین علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں میں احساس بیداری، جرأت اظہار، بھلائی برائی میں تمیز، فکر و عمل میں فرق کا احساس لوگوں میں پھر سے پیدا کیا جائے۔ عوام میں آزادی کا مقصد اور اس کی اہمیت کا احساس دلایا جائے۔ لہٰذا امام عالی مقام نے کثرت کا مقابلہ قلت سے۔ ظلم و بربریت کا مقابلہ مظلومیت اور بے بسی سے کیا۔ اور ایک ایسا طریقۂ جنگ اختیار کیا جو اس سے پہلے دنیا کی آنکھ نے نہیں دیکھا تھا۔

شہید کربلا اس انقلاب کا نام ہے جو ہم تک پہنچی ہوئی

انسانیت [illegible] کا بھی کسی شکست کا [illegible] ۔۔۔ [illegible] ۔۔۔ فکری آزادی کا تحفظ بھی [illegible] جرم کا جواب [illegible] [illegible] کی تعلیمات [illegible] اور حق و صداقت کا [illegible]

حسین ابن علیؓ کا [illegible] بلکہ ایک [illegible] درس دینا چاہتے تھے کہ حقیقی طاقت دشمن کی کثرت نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ حق والوں کی استقامت اور حق پرستی میں ہوا کرتی ہے۔ حق والے طاقت ور دلیل سے اپنی تعداد کی بنا پر قتل نہیں ہوتے بلکہ یہ جان کر قربان ہو جاتے ہیں کہ ان کے لہو سے انسانیت نکھر جائے رو ہدایت منور ہو جائے شمع ایمان کی لو تیز تر ہو جائے اور شجاعت و استقامت کی صبح بر حیرت منور ہو جائے۔ چنانچہ حسین ابن علیؓ باطل قوتوں کے سامنے حق کی استقامت کا مظاہرہ کرنے کے لئے رجب کے مہینہ مکہ سے مدینہ روانہ ہوئے اور ذی الحجہ کو احرام توڑ کر مکہ سے روانہ ہوئے تاکہ حرم پاک کی حرمت جدال و قتال سے محفوظ رہے۔

اسلام مسلمانوں کے لئے حسین اصولوں کا نام ہے۔ اسلام ظالم کے خلاف مظلوم کی قربانی کا نام ہے۔ اصول کے لئے جرأت کا نام ہے کیونکہ امام عالی مقام نے یہ جنگ اصولوں کے لئے لڑی۔ وہ چاہتے تھے کہ یزید کے ہاتھوں اسلامی تمدن کی اخلاقی معاشرت، اسلامی زندگی اور تعلیمات اسلامی پر ایسا غلاف نہ چڑھا سکیں کہ جس کی وجہ سے بعد میں آنے والی نسلوں کے سامنے حقیقی اسلامی تعلیمات پیش کرنے سے قاصر رہیں۔ امام حسین علیہ السلام صرف ایک نقطہ نظر سے دنیا کی ہر ممکن آسائش حاصل کر سکتے تھے۔ ہر آرام خرید سکتے تھے۔ مگر زندہ رسولؐ کو یہ درس ہی نہیں دیا گیا تھا کہ جس

ضمیر بات آج پڑھائی کی تھی کہ انصاف کے لئے حق کے لئے، اصول پرستی کے لئے، انسانیت کے لئے، دین الٰہی کے لئے اگر ضرورت پڑے تو سر کیا سارا کنبہ بھی کٹ جائے تو سودا مہنگا نہیں۔

تاریخ طبری جلد دوم میں رقم ہے کہ جب ابن زیاد نے دربار کوفہ میں امام حسینؑ کے زندہ رہ جانے والے خانوادہ

امام عالی مقام حسین ابن علیؓ کی شہادت کو ان کی [illegible] اور حق و باطل کے [illegible] [illegible] ۔۔۔ [illegible] ۔۔۔ [illegible] ۔۔۔ [illegible]

واقعات کربلا کی ورق گردانی کرتے ہوئے ہر لمحہ ہمیں احساس ہوتا ہے کہ جیسے حسین ابن علی نواسۂ رسول مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) احمد مجتبیٰ، لخت جگر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا فرزند حضرت علی علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام کے چھوٹے بھائی نہیں۔ وہ امام حسینؑ نام ہے ایک اصول کا۔ ایک مکمل نظریے کا۔ ان کی زندگی نظریات سے عبارت ہے۔ حسینؑ آج ایک ایسی علامت بن چکے ہیں جو وہ طلسمات بن کر ابھرے ہیں۔ جو تمام اخلاق حمیدہ کا محور و مرکز ہے۔ وہ اپنے نانا حضرت (صلعم) کی تعلیمات کے زیر اثر ایسا معاشرہ ترتیب دینا چاہتے تھے کہ جس کے افراد میں باہمی اتحاد ہو۔ جو حق و انصاف پر چلے۔ اخلاص و مروت سے کام لے۔ ظالم سے نفرت مظلوم سے محبت۔ جاہ پرستی سے پرہیز۔ زہد و تقویٰ کو اپنا شعار بنا لے۔ داعی اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ساری زندگی رشد و ہدایت کی اسی تبلیغ میں بسر ہوئی۔ جب ان اقدار پر طاغوتی طاقتوں نے یلغار کی تو حضرت امام حسینؑ آگے بڑھے اور اسلامی نظریات کی حفاظت فرمائی کہ اس طرح ملک و دین پناہ ہو کر خاک و خون میں نہا گئے لیکن بنائے "لا الٰہ" بن گئے۔ اس لئے اقبال نے کہا ہے۔ "رمز قرآن از حسین آموختیم"

تاریخ میں ایسی شخصیتیں بہت کم ہیں جو ہر انسانی کمال پر پوری اترتی ہوں نظر آتی ہیں۔ جن کا صبر علامت بن گئے۔ جن کی جرأت دلوں کو توانائی بخشتی ہو۔ جن کی جدوجہد ایک روایت بن جائے۔ جن کے نام ہی کو شجاعت و بہادری تسلیم کر لیا جائے۔ جن کی حق پرستی خود حق کے لئے باعث فخر بن جائے۔ جو تاریخ کی پیداوار نہ ہوں بلکہ تاریخ ان کے وجود کی مرہون منت ہو۔ اور جب ہم تاریخ عالم کو کھنگالتے ہیں تو ہمیں ایسی شخصیت صرف امام حسین علیہ السلام کی دکھائی دیتی ہے۔ جو ہر انسانی کمال پر قائم ہے۔

صبر مسیح و جرأت سقراط کی قسم
اس راہ میں ہے صرف اک انسان کا قدم
جس کی رگوں میں آتش بدر و حنین ہے
اس شیر نر کا اسم گرامی حسینؑ ہے

لو دے رہا ہے خونِ شہیدانِ کربلا

سطوت میرٹھی

پلٹے نہ کیوں رواج شہادت حسین کی
یاد آ رہی ہے آج شہادت حسین کی
ہے بیکسوں کی لاج شہادت حسین کی
ہر دکھ کا ہے علاج شہادت حسین کی
دنیا کرے قبول یہ دعوت حسین کی

جھلسا ہوا لاشہ ہے گور و بے کفن
قربان جس پہ خود ہو شہادت وہ بانکپن
اک موج بے پناہ تھی کی ہر شکن
پیاسے لبوں پہ صبر کے دریا تھے موجزن
کس شان سے ہوئی شہادت حسین کی

اللہ رے وہ بے سر و سامان کربلا
لائے ہیں رنگ خاک گلستان کربلا
سایہ فگن جہاں پہ ہے دامان کربلا
لو دے رہا ہے خون شہیدان کربلا
ہے عکس ریز شمع ہدایت حسین کی

تاج جہاں کہاں ہے، کہاں تاج معرفت
دریا ہے اب بھی تشنۂ امواج معرفت
دنیا ازل کے دن سے ہے محتاج معرفت
حب نبیؐ سے ہے حاصل معراج معرفت
معراج معرفت ہے محبت حسین کی

سرخی بنی وہ جو گلشن کے نسانے کی آبرو
یعنی رسول پاکؐ کے شانے کی آبرو
سطوت جو تھے نبیؐ کے گھرانے کی آبرو
یعنی رسولؐ پاک کے شانے کی آبرو
رتبہ ہے یہ شان یہ عظمت حسین کی

پیغامبر
THE MESSENGER
Editor & Publisher SOHAIL AKHTAR
جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن کسی جمشید کا ساغر نہیں میں
۲۱ اکتوبر سنہ ۱۹۸۲ء

بہت دن ہوئے کسی نے پتّے پہ شبنم کا نازک و حسین قطرہ دیکھا — شبنم کا قطرہ — ایسا لگتا تھا جیسے ابھی ابھی آسمان کی پاکیزگی لئے اترا ہو اور محو رقص ہو — لیکن پُر فریب دنیا کے بھیانک چہرے پر سکّوں کی جھنکار کی چمک ایسی چمکی کہ اختتامِ رقص سے پہلے ہی شبنم نے دم توڑ دیا — وہ دیکھتا رہا — وہ دیکھتا رہا — عمارت جل رہی تھی — فضا نے دھوئیں کا لبادہ اوڑھ لیا — جسم بُرہنہ جل گئی — نسوانیت چلّا اٹھی، زندگی سے پُر خطر موڑ سے بے پرواہ ہوکر — شبنم کی موت، آگ دھواں، نسوانیت کی چیخ — وہ دیکھتا رہا — کس نے دیکھا — بھائی بھائی کا دشمن ہے۔ اولاد والدین کی عزت خاک میں ملا رہے ہیں۔ ہتھوڑے چلانے والے قلم کو تمام ادیب کا لیبل لگا رہے ہیں۔ قتلِ عام جاری ہے، وہ بھی معصوم بچوں کا۔ پولیس چھاپہ مار رہی ہے۔ ہم اجنبی لوگ نظریں جھکا کر چلے رہے ہیں — قتل بچہ کا نہیں ہوا — آگ کے طوفان میں نسوانیت کی چیخ نہیں تھی — عدالت عالیہ کے وقار کو دھچکا نہیں لگا — وہ دیکھتا رہا — پھر چلّا اٹھا — یہ ہماری موت ہے — یہ انسانی لوگوں کے وقار کی موت ہے انداز مختلف ہے — ادا اور ہے۔ شاید نظر فریب کھا گئی — احساس دم توڑ گیا۔

سچی باتیں

مرثیۂ امام

فیض احمد فیض

رات آئی ہے شبیر پہ یلغارِ بلا ہے
ساتھی نہ کوئی یار نہ غمخوار رہا ہے
مونس ہے تو اک درد کی گھنگھور گھٹا ہے
مشفق ہے تو اک دل کے دھڑکنے کی صدا ہے
تنہائی کی، غربت کی، پریشانی کی شب ہے
یہ خانۂ شبیر کی ویرانی کی شب ہے

❀❀❀

دشمن کی سپہ خواب میں مدہوش پڑی تھی
پل بھر کو کسی کی نہ ادھر آنکھ لگی تھی
ہر ایک گھڑی آج قیامت کی گھڑی تھی
یہ رات بہت آلِ محمدؐ پہ کڑی تھی
رہ رہ کے بُکا اہلِ حرم کرتے تھے ایسے
تھم تھم کے دیا آخرِ شب جلتا ہے جیسے

❀❀❀

اک گوشے میں ان سوختہ سامانوں کے سالار
ان خاک بسر، خانماں ویرانوں کے سردار
تشنہ لب و درماندہ و مجبور و دل افگار
اس شان سے بیٹھے تھے شہِ لشکرِ احرار
مسند تھی، نہ خلعت تھی، نہ خدام کھڑے تھے
ہاں تن پہ جدھر دیکھیے سو زخم سجے تھے

❀❀❀

کچھ خوف تھا چہرے پہ نہ تشویش ذرا تھی
ہر ایک ادا مظہرِ تسلیم و رضا تھی
ہر ایک نگہ شاہدِ اقرارِ وفا تھی
ہر جنبشِ لب منکرِ دستورِ جفا تھی
پہلے تو بہت پیار سے ہر فرد کو دیکھا
پھر نام خدا کا لیا اور یوں ہوئے گویا

❀❀❀

الحمد قریب آیا غمِ عشق کا ساحل
الحمد کہ اب صبحِ شہادت ہوئی نازل
بازی ہے بہت سخت میانِ حق و باطل
وہ ظلم میں کامل ہیں تو ہم صبر میں کامل
بازی ہوئی انجام، مبارک ہو عزیزو
باطل ہوا ناکام، مبارک ہو عزیزو

❀❀❀

پھر صبح کی لو آئی رخِ پاک پہ چمکی
اور ایک کرن مقتلِ خونناک پہ چمکی
نیزے کی انی تھی خس و خاشاک پہ چمکی
شمشیر برہنہ تھی کہ افلاک پہ چمکی
دم بھر کے لیے آئینہ رو ہو گیا صحرا
خورشید جو ابھرا تو لہو ہو گیا صحرا

پر باندھے ہوئے حملے کو آئی صفِ اعدا
تھا سامنے اک بندۂ حق یکّہ و تنہا
ہر چند کہ ہر اک تھا ادھر خون کا پیاسا
یہ رعب کا عالم کہ کوئی پہل نہ کرتا
کی آنے میں تاخیر جو لیلائے قضا نے
خطبہ کیا ارشاد امامِ شہدا نے

❀❀❀

فرمایا کہ کیوں درپئے آزار ہو لوگو
حق والوں سے کیوں برسرِ پیکار ہو لوگو
واللہ کہ مجرم ہو، گنہگار ہو لوگو
معلوم ہے کچھ کس کے طرفدار ہو لوگو
کیوں آپ کے آقاؤں میں اور ہم میں ٹھنی ہے
معلوم ہے کس واسطے اس جاں پہ بنی ہے

❀❀❀

سطوت نہ حکومت نہ حشم چاہیئے ہم کو
اورنگ نہ افسر، نہ علم چاہیئے ہم کو
زر چاہیئے، نے مال و درم چاہیئے ہم کو
جو چیز بھی فانی ہے وہ کم چاہیئے ہم کو
سرداری کی خواہش ہے نہ شاہی کی ہوس ہے
اک حرفِ یقیں، دولتِ ایماں ہمیں بس ہے

❀❀❀

طالب ہیں اگر ہم تو فقط حق کے طلبگار
باطل کے مقابل میں صداقت کے پرستار
انصاف کے، نیکی کے، مروت کے طرفدار
ظالم کے مخالف ہیں تو بیکس کے مددگار
جو ظلم پہ لعنت نہ کرے، آپ لعیں ہے
جو جبر کا منکر نہیں وہ منکرِ دیں ہے

❀❀❀

تا حشر زمانہ تمہیں مکار کہے گا
تم عہد شکن ہو، تمہیں غدار کہے گا
جو صاحبِ دل ہے، ہمیں ابرار کہے گا
جو بندۂ حر ہے، ہمیں احرار کہے گا
نام اونچا زمانے میں ہر انداز رہے گا
نیزے پہ بھی سر اپنا سرافراز رہے گا

❀❀❀

کر ختم سخن محوِ دعا ہو گئے شبیر
پھر نعرہ زناں محوِ وغا ہو گئے شبیر
قربان رہِ صدق و صفا ہو گئے شبیر
خیموں میں تھا کہرام، جدا ہو گئے شبیر
مرکب پہ تنِ پاک تھا اور خاک پہ سر تھا
اس خاک تلے جنتِ فردوس کا در تھا

کرنیں

عبدالرشید —
• جو لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے زمانہ ان کی قدر نہیں کرتا۔
• حاسد کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتا زمین حاسد کو اپنے اوپر چلتا نہیں دیکھ سکتی۔
• جس کا ضمیر زندہ نہیں وہ اس دنیا سے مر چکا ہے۔
• جو عالم کی قدر نہیں کرتا اس کے دل میں علم گھر نہیں کرتا۔

فرحانہ —
• مطالعہ انسان کے اخلاق کا معیار ہے۔
• علم مومن کا گم شدہ مال ہے جہاں ملے لے لو۔
• اگر تو گناہ ہی پر آمادہ ہے تو ایسی جگہ کر جہاں خدا نہ ہو۔
• تین چیزیں محبت بڑھانے کا ذریعہ ہیں۔ سلام میں پہل کرنا، دوسروں کے لئے مجلس میں جگہ خالی کرنا۔ مخاطب کو بہترین نام سے پکارنا۔
• بے وقوف کے کانوں میں باتیں مت ڈال کیونکہ وہ بجائے عمل کے تیرے دانشمندانہ کلام کی تحقیر کرے گا۔

افتخار احمد —
طالب علم میں شرم مناسب نہیں کیونکہ جہالت شرم سے بدتر ہے۔
• لوگوں میں برا وہ ہے جس کی تعظیم اس کے ڈر اور خوف کی وجہ سے کی جائے۔
• کلام میں نرمی اختیار کرو۔ لہجے کا اثر الفاظ سے زیادہ ہوتا ہے۔
• تلوار کا وار جسم کو زخمی کرتا ہے اور بری بات روح کو گھائل کرتی ہے۔
• آہستہ بولنا، نیچی نگاہ رکھنا، میانہ چال چلنا ایمان کی نشانی ہے۔

معوذ حسین شاہ —
• اگر چڑیاں متحد ہو جائیں تو شیر کی کھال کھینچ سکتی ہیں۔ آزادی کی حد روکنے والا غلامی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

نوید احمد —
• جو قومیں اپنے محسنوں کو فراموش کر دیں وہ جلد مٹ جاتی ہیں۔
• دنیا میں اتنی محنت کر جتنا تجھے یہاں رہنا ہے۔ اور آخرت کے لئے اتنی محنت کر جتنا تجھے وہاں رہنا ہے۔
• صرف اس ذات سے مانگ جو دوسروں کا محتاج نہیں ہے۔

فرحت یاسمین —
بے وقوف کو دل کی آنکھ سے دیکھو اور عقل کی نگاہ سے پرکھو۔
• ہمیشہ وہ لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو دوسروں کے کام کو اپنا کام سمجھتے ہیں۔
• اگر جنت چاہتے ہو تو ماں باپ کی خدمت کرو۔
• کردار ایک ایسا ہتھیار ہے جو ہر پتھر کو کاٹ سکتا ہے۔
• بروں کی ہم نشینی سے تنہائی بدرجہا بہتر ہے۔

ارشاد احمد —
مشکل کاموں سے نہ گھبراؤ جوں جوں مشکل آئے گی تمہاری عظمت بڑھے گی۔ ملاحوں کی عظمت و شہرت طوفانوں سے ہی بڑھتی ہے۔
• جو کچھ ہم پسند کرتے ہیں وہ ہمیں حاصل نہیں ہوتا اس لئے جو کچھ ہم حاصل کرتے ہیں، ہمیں چاہئے کہ اسے پسند کریں۔





خود فوج کی اقتدار میں آنے کی شو...

راولپنڈی کے ہفت روزہ حرمت کے ساتھ انٹرویو میں مولانا...

"یہ غلط ہے بھٹو کبھی ایسا نہ...

پیپلز پارٹی کے ریٹائرڈ جنرل ٹکا خا...

کور کمانڈرز کے ساتھ مسٹر بھٹو کوثر نیازی اور حفیظ پیرزادہ کی آخری ملاقات کی سنسنی خیز روداد پہلی مرتبہ اخبار جہاں پیش کرتا ہے

تحریر: احمد کمال

گزشتہ دنوں قومی سیاست کے افق پر تین انٹرویوز نے خاصی شہرت حاصل کی اور ابھی تک پاکستان کے عوامی اور سیاسی و سماجی حلقوں میں بحث کا موضوع بنے ہوئے ہیں۔ یہ توقع اس امر کے امکانات خاصے روشن ہیں کہ آئندہ رونما ہونے والی صورت حال پر ان باتوں کے گہرے اثرات مرتب ہوں گے، اور یہ کافی طوالت حاصل کریں گی۔ اسی لئے ہم مختصر اختصار سے ان انٹرویوز کے متن مندرجات و اثرات اور پس منظر سے آگاہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ان تین انٹرویوز میں سے ایک صدر جنرل محمد ضیاء الحق کا ہے جو انہوں نے "فارن میڈیا" کے ایک گروپ کو سٹیٹ گیسٹ ہاؤس راولپنڈی میں دیا، اس میں متعدد یورپی ممالک اور امریکہ و کینیڈا کے چیدہ اخباری نمائندے شامل تھے جنہوں نے صدر ضیاء پر کئی خاصے چبھتے ہوئے سوال بھی کئے، ایسے جن کے بارے میں سوچتے ہوئے بھی بیچارے پاکستانی صحافیوں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے۔

دوسرا انٹرویو اطلاعات و نشریات امور مذہبی اور اور بیرون ملک پاکستانیوں کے معاملات کے سابق عوامی وزیر مولانا کوثر نیازی کا تھا۔ جو انہوں نے راولپنڈی کے ہفت روزہ "حرمت" کو دیا ہے اور جس میں ماضی کے چند واقعات کے چہرے سے نقاب کشائی کرنے کے علاوہ موجودہ صورت حال میں درپیش ملک کے مسائل اور ان کے حل پر بھی بحث کی ہے۔ ان کے انٹرویو میں بہت سی ایسی باتیں بھی شامل تھیں جو لوگوں کے علم میں پہلی مرتبہ آئیں اب یہ صاف ظاہر ہے کہ بعض حقائق جب بالکل پہلی مرتبہ لوگوں کے علم میں آئیں گے تو وہ ان پر نہ صرف یہ کہ خاصے چونکیں گے، بلکہ بعض اصحاب کی طبع نازک پر ایسے انکشافات گراں بھی گزریں گے، بلاشبہ تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر بھٹو کے بعد حکومت اور پارٹی کی دوسری بڑی شخصیت مولانا کوثر نیازی ہی تھے۔ جس کا اعتراف خود مسٹر بھٹو نے بیشتر مواقع پر کیا، مولانا کی تصنیف "اندازِ بیاں" میں مسٹر بھٹو نے کتاب کا دیباچہ تحریر کرتے ہوئے ان کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے، اس سے صاف طور پر واضح ہے کہ مسٹر بھٹو مولانا کوثر نیازی کو کس درجہ اہمیت دیتے تھے۔

مولانا کوثر نیازی کے انٹرویو کے بعد تیسرا انٹرویو جو دراصل ایک جوابی بیان کی صورت میں تھا پیپلز پارٹی کے موجودہ اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل اور سابق وزیر دفاع ریٹائرڈ جنرل ٹکا خان نے دیا اور پاکستان کی تقریباً سبھی اخبارات نے اسے نمایاں جگہ دی۔ جنرل ٹکا خان نے اپنے بیان میں ان تمام باتوں کی تکذیب کرنے کی کوشش کی جو مولانا کوثر نیازی نے اپنے انٹرویو میں کی تھیں۔

سب سے پہلے ہم صدر ضیاء کے انٹرویو کی طرف آتے ہیں، بی بی سی کے نمائندے نے خاصے تیکھے انداز میں ان سے صدارت کیا کہ ان کی بیشتر پالیسیاں کسی ایسے منتخب عوامی صدر کی سی ہیں، جنہیں ہمیشہ حاکم رہنا ہو اور اسی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صدر ضیاء کا انتخابات کرانے کا کوئی ارادہ نہیں بی بی سی کے نمائندے نے یہ سوال بھی اس کے ساتھ شامل کر دیا کہ آخر پاکستان موجودہ صورت حال میں کب تک چل سکے گا؟ نیز یہ کہ خود صدر ضیاء کا مستقبل کیا ہے؟ کیا وہ ہمیشہ حکومت کرتے رہنے کے موڈ میں ہیں۔

ضیاء الحق نے، جن کے بائیں جانب وزیر اطلاعات راجہ ظفر الحق اور دائیں ہاتھ جنرل حبیب الرحمٰن بیٹھے بار بار اپنی پیشانیوں سے پسینے کے قطرے صاف کر رہے تھے اس طویل سوال کا نہایت مسکت جواب بڑے ٹھنڈے مزاج سے دیا۔

"مجھے عوام نے نہیں زبردستی منتخب کیا ہے جو عام انتخابات کے نتیجے میں برسر اقتدار نہیں آیا بلکہ مجھے فوج اقتدار میں لائی ہے اب جب تک فوج یہ محسوس کرے گی کہ اسے پاکستان کے انتظامی معاملات چلانے ہیں، اس حکومت میں موجود رہوں گا لیکن میرا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ فوج کی قوت اپنے ہاتھ میں ہونے کی بناء پر میں ہمیشہ اس ملک پر حکومت کرتا رہوں، میں خود محسوس کرتا ہوں کہ مجھے عوام کی مرضی کے خلاف ایسا کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں لیکن عوام چاہے اسے پسند کریں یا ناپسند، یہ میرا عزم ہے اور فوج کا مصمم ارادہ ہے کہ اب ہم اسی وقت حکومت عوامی نمائندوں کے حوالے کریں گے جب یہ لوگ خود کو اس اہم ذمہ داری کے سنبھالنے کا اہل ثابت کر دیں گے، اور دوسری طرف ملک اندرونی اور بیرونی تمام خطرات کے حصار سے باہر نکل جائے گا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ میں انتخابات کیوں نہیں کرا رہا؟ جب کہ ایران اور بنگلہ دیش میں انتہائی نازک حالات میں بھی انتخابات کرائے گئے، تو ایک طرف تو آپ لوگ ان انتخابات کے نتائج پر غور کریں کہ یہ ملک انتخابات کے باوجود کس درجہ انارکی کے شکار ہیں میں پاکستان کو ایسی صورت حال سے دوچار ہوتے نہیں دیکھ سکتا، جیسی ایران یا بنگلہ دیش میں ہے دوسرے میں آپ لوگوں کی یہ غلط فہمی بھی دور کر دوں کہ میں خود انتخابات کا مخالف اور حکومت میں رہنے کا بہت زیادہ شائق ہوں، یہ بات بالکل غلط ہے، میں نہیں..... وہ سیاست دان تھے جنہوں نے ۱۹۷۷ء اور ۱۹۷۹ء میں دونوں مرتبہ جب میں نے انتخابات کے انعقاد کا اعلان کیا تو انہوں نے ہاتھ جوڑ کر مجھ سے درخواست کی کہ خدارا انتخابات کا اعلان موقوف کر دیں ورنہ ہم مارے جائیں گے۔" ماسوائے چند ایک کے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر آپ نے ہماری مرضی کے بغیر انتخابات کروائے تو ہم ان کا بائیکاٹ کریں گے (صدر ضیاء کے اس دعوے کی تصدیق ان کے نہ الحال سب سے بڑے سیاسی مخالف حضرت مولانا شاہ احمد نورانی بھی کر چکے ہیں بلکہ انہوں نے تو اس سلسلے میں بیگم نسیم ولی خان اور میاں طفیل محمد کا نام تک لے دیا ہے کہ صدر سے ملاقات کے دوران یہ درخواست کرنے والی پہلی دو ہستیاں یہی تھیں۔ یہ دونوں ہستیاں مولانا کی اس بات کی تردید کر چکی ہیں، واللہ اعلم بالصواب) صدر ضیاء نے مزید کہا کہ میرے کسی اقدام کا مقصد اپنی حکومت کو مضبوط بنانا نہیں، بلکہ پاکستان کو مضبوط اور مستحکم بنانا ہے، میں آج ہوں، کل نہیں رہوں گا، انہوں نے بڑے جذباتی انداز میں کہا کوئی رہے یا نہ رہے لیکن پاکستان زندہ رہے گا۔ اب انتخابات سیاست دانوں کی مرضی سے نہیں بلکہ میری مرضی سے ہوں گے، جب میں اور میرے ساتھی یہ فیصلہ کریں گے کہ ہاں اب یہ لوگ اس ملک کو چلانے کے اہل ہو گئے ہیں، تو میں ایوان صدر کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں سمیت بیرکوں میں واپس چلا جاؤں گا۔

پاکستان کے ایٹمی توانائی کے پروگرام کے بارے میں ایک کینیڈین صحافی کے سوال کے جواب میں ضیاء الحق نے بتایا کہ یہ پروگرام پرامن مقاصد کے لئے ہے اور دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اس پر عملدرآمد سے باز نہیں رکھ سکتی، یہ پروگرام میں نے شروع نہیں کیا، نہ میں اسے ختم کر سکتا ہوں، ۱۹۶۰ء میں یہ پروگرام کینیڈا کے تعاون سے شروع کیا گیا تھا اور اب ہم اس قابل ہیں کہ کسی بھی دوسرے ملک کی مدد کے بغیر اس پر کامیابی سے عملدرآمد کر سکتے ہیں، ہمارے پاس یورینیم کے ذخائر ہیں، ہماری زمین معدنی وسائل سے مالا مال ہے ہمارے سائنس دان دنیا کے کسی ترقی یافتہ ملک کے سائنس دانوں کے ہم پلہ ہیں۔ ہم اگر چاہیں تو آج ایٹمی ہتھیاروں کی دوڑ میں شامل ہو سکتے ہیں، لیکن میرا ساری دنیا کے سامنے یہ واضح اعلان ہے کہ پاکستان کبھی ایٹمی ہتھیار نہیں بنائے گا، ہم انسانیت کے دوست ہیں دشمن نہیں۔ ہم کبھی کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جس سے ہم پر (بین الاقوامی قانون یا) اقوام عالم کے سامنے ہمیں اپنا مجرم گردانا گیا ہے یہ تمام الزامات قطعی بے سروپا ہیں کہ چین، لیبیا یا ترکی کے ساتھ مل کر پاکستان ایٹمی ہتھیار تیار کر رہا ہے ہمیں ایسا کرنا ہوتا تو ان دوستوں کی مدد کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن یہ ہمارا مقصد ہی نہیں تو دنیا ہم پر ایسے الزامات کیوں عائد کرے؟

فارن میڈیا کے بیشتر نمائندے بھی ضیاء الحق کی اس "ٹیسٹ دی پریس" میں شامل تھے دم بخود نظر آتے تھے، وہ ایک نہایت زیرک اور تیز طرار سیاست دان کی طرح دنیا بھر کے ان چبھتے ہوئے ذہنوں پر مکمل طور پر چھایا ہوا نظر آتا تھا ہر سوال کے جواب میں اس قدر بے پناہ تحمل، بردباری اور خود اعتمادی کا مظاہرہ اور پھر کسی بھی سوال سے فرار کی کوشش نہ کرنا ضیاء الحق کے کریڈٹ پر بلاشبہ بہت بڑی چیز کہی جا سکتی ہے، اور امید ہے کہ پاکستان کے عوام اور سیاست دانوں کے علاوہ عالمی رائے عامہ بھی اب اس شخص کے بارے میں اپنی بہت سی سابق آراء پر نظر ثانی کرنے پر غور کرے گی۔

اب آیئے مولانا کوثر نیازی کے حالیہ متنازعہ فیہ انٹرویو کی طرف اس آدمی کے بارے میں پاکستان کے ایک نہایت ہی تیکھے، تیز و تند قسم کے صحافی عبدالقادر حسن کی رائے یہ ہے کہ ..... "کوثر نیازی اس وقت ملک کا سب سے زیادہ مشہور آدمی ہے ویسے بھی اس شخص نے پنجاب کے ایک ستون "میں درجوں اٹھایا ہیں، کے عملاں ننگ لگایا" پر جس خوبی سے عمل پیرا ہو کر دکھایا ہے وہ اس کی بے پناہ صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے، شورش کاشمیری کے ہفت روزہ "چٹان" کے سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر اور جنگ کے موجودہ سب ایڈیٹر اختر کاشمیری جن کا جماعت اسلامی سے ایک طویل تعلق رہا ہے کوثر نیازی کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس آدمی سے لی کر جتنے اس کے بارے میں اپنی سابقہ رائے تبدیل کر لی۔ وہ تو ایک بہت ہی معقول آدمی ثابت ہوا ہے"



صدر ضیاء الحق

ہفت روزہ حرمت کو اپنے حالیہ انٹرویو میں اس نے انکشاف کیا کہ بھٹو مرحوم نے خود فوج کو اقتدار کی پیش کش کی تھی، اس کے سلسلے میں انہوں نے مختصر اس پیش کش کا پس منظر بھی بتایا، اس بات کے علاوہ انہوں نے ملک کی موجودہ سیاسی صورت حال کا تجزیہ بھی کیا، اس کا حل بھی بتایا، اور کس پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس پر بھی بحث کی، لیکن ان کی تمام

اگر فوج اقتدار سنبھالنے کے سلسلے میں ذرا اور تاخیر کرتی تو ملک میں اس قدر کشت و خون ہوتا جس کی نظیر تاریخ میں نہ ملتی!

دیگر باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے، پیپلز پارٹی کے موجودہ اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل اور سابق وزیر دفاع ریٹائرڈ جنرل ٹکا خان نے، جو آجکل اپنے بنگلے میں نظر بند ہیں ایک جوابی بیان اخبارات کو جاری کیا، جس میں کوثر نیازی کی باتوں کو غلط اور افتراء پردازی پر مبنی قرار دیا، ان کے بیان کے بعض حصے تو ابھی درجہ پوچ اور ان کی ذہنی پسماندگی کے مظہر تھے کہ ان پر غور کرنا بھی محض ضیاع وقت ہو گا۔ ٹکا خان کے اس بیان اور انٹرویو کے بعد ہی یہ بات کھل آسکی کہ ایک تھکے ہوئے عمر کے بعد فوجیوں کو ریٹائر کیوں کر دیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ اگر وہ ملک و قوم یا کسی ادارہ کے لئے مزید کچھ کرنے کی صلاحیتوں سے محروم ہو جائیں تو انہیں "فارغ" کر کے گھر کو بٹھا دیا جائے لیکن بدقسمتی سے اپنی ان صلاحیتوں سے محرومی کے بعد جن کی وجہ سے وہ فوج میں کوئی نام یا مقام پیدا کرتے ہیں یہ لوگ سیاست کو ایک بالکل ہی سادہ اور آسان کھیل سمجھ کر اس میں کود پڑتے ہیں اور پاکستان کی سیاسی تاریخ گواہ ہے کہ کوئی بھی سابق فوجی اچھا سیاست دان کبھی ثابت نہیں ہو سکا۔ اور نہ ہی سیاست میں کامیاب رہا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ سیاست کھلے بندھے اصولوں اور ضابطوں یا "آئین کشی"، "اباؤٹ ٹرن، لیفٹ رائٹ" یا

"DO AND DIE, DONT ASK WHY"

کا سا کوئی منطقی عمل نہیں ہے، جس سے فوج سے منسلک افراد ساری زندگی اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتے، اصغر خان، جنرل اعظم، جنرل سرفراز، جنرل نیازی، جنرل شیر علی خان یہ سب کے سب سیاست میں صرف اس وجہ سے ناکام رہے کہ اپنی فوجی زندگی کی تربیت سے سیاست میں آنے کے بعد بھی اپنا پیچھا نہ چھڑا سکے.......!

خیر! ذکر تھا کوثر نیازی کے انٹرویو کا، مسٹر بھٹو کے بارے میں یہ بات کہ انہوں نے فوج کو خود اقتدار کی پیش کش کی تھی، کوئی اتنی حیرت انگیز بات نہ تھی جس پر فریق مخالف ایسے شدید رد عمل کا مظاہرہ کرتا، مسٹر بھٹو نے تو قومی اسمبلی میں اپنی آخری تقریر کے دوران صاف طور پر یہ کہہ دیا تھا کہ: "کہ مجھے اقتدار کی نہ تو ضرورت ہے نہ اس سے اتنی دلچسپی ہے کہ میں ہر صورت میں اس سے چمٹا رہوں میں آج ابھی — اور اسی لمحہ اقتدار سے ہٹ جانے کے لئے تیار ہوں، میری طرف سے کسی کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں، میں ابھی جانے کے لئے تیار ہوں پھر میری بلا سے چاہے "وردی پوش فرشتے" اگر اقتدار سنبھالیں یا کوئی "راسپوٹین" برسر اقتدار آئے.....!

مسٹر بھٹو کے یہ جملے ریکارڈ پر موجود ہیں۔ اور قومی اسمبلی سیکرٹریٹ میں موجود ان کی آخری تقریر کی فائل سے ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔ ان میں جو بالا جملے ہیں "وردی پوش فرشتوں" کی اصطلاح انہوں نے جن لوگوں کے لئے استعمال کی تھی اور "راسپوٹین" کا خطاب کن اصحاب کو دیا تھا۔ وہ لوگ بآسانی سمجھ سکتے ہیں جو مسٹر بھٹو کے مخصوص ذومعنی طنزیہ اور پہلودار طرز گفتگو سے ذرا سی بھی آگاہی رکھتے ہوں۔ اس کے علاوہ کور کمانڈرز کے ساتھ ان کی میٹنگوں میں، جن میں سے کچھ پی ایم ہاؤس میں اور کچھ جی ایچ کیو کانفرنس روم میں منعقد ہوئی تھیں، مسٹر بھٹو نے بارہا اقتدار سے اپنی عدم دلچسپی اور فوج کو اقتدار کلیتاً سونپنے یا اقتدار میں اس کی جزوی شرکت پر آمادگی ظاہر کی تھی اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ خود انہوں نے فوج کو اپنے اقتدار کی حفاظت کے لئے سڑکوں پر لا کر اور شہروں میں جزوی مارشل لاء نافذ کر کے نہ صرف سیاست میں فوج کو دخیل کیا تھا بلکہ اپنے اقتدار میں عملی طور پر شریک کر لیا تھا۔

یہاں لامحالہ یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ اپنے سیاسی حریفوں کے سامنے بے بس ہو کر اپنے اقتدار کی حفاظت کے لئے غیر سیاسی فریق فوج کو درمیان میں لاتے ہیں اور اسے دعوت دیتے ہیں کہ وہ امن و امان کی صورت حال کو بحال کرے تو آخر آپ نے ایسا کس سیاسی استحقاق کی بناء پر کیا؟ ہم یہاں آئینی استحقاق کی بات نہیں کرتے کیونکہ وہ مسٹر بھٹو کے پاس بہر حال تھا حالانکہ خود مسٹر بھٹو نے کبھی ایسی ہی صورت حال کے پیدا ہونے کی صورت میں امن و امان کی بحالی کے لئے فوج کے استعمال سے "محفوظ" رہنے کے لئے ایک نئی نیم فوجی تنظیم ایف ایس ایف کے نام سے قائم کی تھی، جس کا فرض تھا کہ وہ داخلی انتشار کی صورت میں جہاں پولیس امن عامہ برقرار رکھنے میں ناکام ہو جائے، اپنا فرض ادا کرے لیکن مسٹر بھٹو نے اپنے اقتدار کی حفاظت کے لئے ایف ایس ایف کے ساتھ فوج کو بھی میدان میں جھونک دیا۔ المیہ ایک بہت بڑے سیاستدان کی بہت بڑی سیاسی حماقت تھی، اگر مسٹر بھٹو کے اقتدار کی حفاظت کرتے ہوئے عوام کی ناراضگی

خدا کے نزدیک بہترین دوست وہ ہے جو اپنے دوست کا خیر خواہ ہو (نبی کریمؐ)



بھٹو

"... آئینی شمولیت کے حامی تھے"

... ساتھ انٹرویو میں مولانا کوثر نیازی کا انکشاف

"... بھی ایسا نہیں کر سکتے تھے"

... ریٹائرڈ جنرل ٹکا خان کا جوابی بیان

حقائق کیا تھے؟ یہ واقعات کس طرح رونما ہوئے؟ فوج کو اقتدار فوری طور پر سنبھالنے کا فیصلہ کرانیوالا شخص کون تھا؟

معاملے کی اس کے لئے یہ بہتر ہوتا کہ وہ بھٹو کو اقتدار سے محروم کرکے عوام کی خوشنودی بھی حاصل کرلے، اور خود اس اقتدار پر قابض بھی ہو جائے جس کی حفاظت بہرحال اس کا فرض ہے، بلکہ اس سیاسی

قوت کا فرض تھا جو اس پر عائد تھی، چنانچہ فوج نے وہی کیا جو ان حالات میں لامحالہ وہ کرنے پر مجبور ہو گئی تھی یعنی اس نے مسٹر بھٹو کو اقتدار سے محروم کرکے خود حکومت کا نظم و نسق سنبھال لیا۔

مسٹر بھٹو خود بھی اس امر سے بخوبی واقف تھے کیونکہ یہ ان کی اسمبلی کی تقریر ہی سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ کئی کور کمانڈروں اور خود جنرل ضیاء الحق نے انہیں بارہا اس خطرے سے آگاہ کر دیا تھا کہ فوج میں موجودہ ملکی صورت حال کے حوالے سے بے چینی پھیلی ہوئی ہے اور مسٹر بھٹو کو جلد از جلد حالات کی بہتری کی کوشش کرنا چاہئے تاکہ فوج بیرکوں میں واپس جائے اور سول انتظامیہ حکومت چلائے۔ اس امر کا انکشاف حال ہی میں ریٹائرڈ جنرل چشتی نے بھی اپنے ایک انٹرویو میں کیا ہے، کہ ہم لوگوں نے بارہا مسٹر بھٹو کو فوج میں پھیلی ہوئی بے چینی سے آگاہ کیا تھا، فوجی جوان مسٹر بھٹو کے اقتدار کی حفاظت کے لئے اپنے عوام پر گولیاں برسانے کے لئے تیار نہ تھے اور یہ بات ویسے بھی سمجھ میں آنے والی ہے۔

مسٹر بھٹو نے اس صورت حال سے آگاہی کے بعد فوج کو اقتدار میں پہلے تو جزوی شرکت کی دعوت دی تھی اور پھر اقتدار مکمل طور پر فوج کے حوالے کرنے تک پر آمادہ ہو گئے تھے۔ تاکہ کور کمانڈرز کو فوج میں پھیلی ہوئی بے چینی ختم کرنے کے مواقع فراہم کر سکیں۔

دوسری طرف مسٹر بھٹو کو یہ بھی علم تھا کہ اصغر خان وغیرہ فوج کی ہائی کمان کو مسلسل اس امر پر اکسا رہے ہیں کہ وہ اقتدار سنبھال لے۔ اس صورت حال سے بچنے کا مسٹر بھٹو کے پاس ایک ہی ذریعہ تھا اور وہ یہ کہ وہ فوج کو اقتدار میں شرکت کی دعوت از خود دیں اور اسے اپنا ہمدرد و معاون بنائے رکھنے میں کامیابی حاصل کر لیں۔ یہ ایک بہت نازک کھیل تھا جس میں ہر فریق نے اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا اور بالآخر وہ جیت گئے۔ جن کے اعصاب زیادہ مضبوط تھے اور جن کی صفوں میں کوئی انتشار اور اختلاف رائے نہ تھا۔ یہ ایک اعصابی جنگ تھی جس میں سیاسی حزب اقتدار اور حزب اختلاف دونوں شکست کھا گئیں۔ اس کے خود بہت سے اسباب اور پہلو تھے جن پر بحث بہت طویل ہو جائے گی اور یہاں اس کا محل بھی نہیں ہے یہاں تو ہم کوثر نیازی اور جنرل ٹکا کے بیانات کے حوالے سے ہی صورت حال کو اپنے قارئین پر واضح کرنا چاہتے ہیں، خصوصاً ان پر جنہیں اس بات پر یقین کرنے میں تامل ہو کہ مسٹر بھٹو خود بھی کبھی فوج کو اقتدار میں شرکت کی دعوت دے سکتے تھے، حالانکہ ایک ایسا شخص جو برسر اقتدار ہی فوجی حمایت کے بل بوتے پر آیا تھا اور ملک کا پہلا سویلین چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنا، اس سے یہ بات ہرگز غیر متوقع نہیں کہی جا سکتی۔ مولانا کوثر نیازی کا کہنا ہے کہ مسٹر بھٹو اس بات پر اس حد تک چلے گئے تھے کہ وہ آئین میں باقاعدہ ترمیم کرکے بھی فوج کی اقتدار میں شرکت کو آئینی روپ دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے اگلی ہی آئین میں ترمیم کا یہ حق لینے کے لئے ہی ریفرنڈم کی تجویز پیش کی تھی۔ ان کا منشا یہ تھا کہ محض فوج کو اپنے اقتدار میں شریک کرکے ہی وہ ایک مضبوط حکومت بنا سکتے ہیں۔ اور دوسری طرف اپنے سیاسی حریفوں خصوصاً اصغر خان کی شرانگیزیوں سے بھی محفوظ رہ سکتے ہیں۔ فوجی جرنیل ریفرنڈم کی تجویز پر راضی ہو چکے تھے۔ کیونکہ جزوی مارشل لاء لگائے رکھنا بہت زیادہ عرصہ تک فوج کے لئے بھی ممکن نہ رہا تھا۔ لیکن جب اسمبلی میں ریفرنڈم کی تجویز پیش ہوئی تو قومی اتحاد کے سیاستدانوں نے اسے مسترد کر دیا کیونکہ وہ مسٹر بھٹو کی اصل خواہش کو سمجھ گئے تھے کہ ریفرنڈم کرا کے مسٹر بھٹو کس طرح انہیں ہمیشہ کے لئے چت "کرنے" کے چکر میں ہیں۔

جب قومی اتحاد کے سیاسی رہنماؤں کی جانب سے مسٹر بھٹو کی یہ چال ناکام بنا دی گئی تو کور کمانڈرز نے جی ایچ کیو میں ایک میٹنگ طلب کی جس میں مسٹر بھٹو کو تنہا شرکت کی دعوت دی گئی تھی تاکہ صورت حال کی بہتری کے سلسلے میں غور و فکر کیا جا سکے۔ مسٹر بھٹو نے اس دعوت کے جواب میں یہ شرط عائد کی کہ وہ میٹنگ میں تنہا نہیں آئیں گے بلکہ ان کے ساتھ ان کے وہی دونوں ساتھی بھی ہوں گے جو قومی اتحاد کی ٹیم سے مذاکرات کے دوران ان کے ساتھ رہے ہیں۔ اور یہ دو ساتھی۔ کوثر نیازی اور حفیظ پیرزادہ تھے۔

ہمیں افسوس ہے کہ ناگزیر وجوہات اور اپنی صحافتی ذمہ داریوں کے سبب ہم اپنے قارئین کو اپنی معلومات کے ماخذ سے آگاہ نہیں کر سکتے۔ لیکن انہیں یقین کرنا چاہئے کہ جو منظر ہم اب ان کی خدمت میں پیش کرنے والے ہیں اس کی صداقت ہر شک و شبے سے بالاتر ہے۔

مسٹر بھٹو اپنے ملٹری سیکرٹری بریگیڈیئر امتیاز اور ایک مدد اے ڈی سی کے علاوہ اپنے دونوں ساتھیوں سمیت جنرل ہیڈ کوارٹرز پہنچے۔ چیف آف آرمی سٹاف جنرل ضیاء الحق اور چیئرمین جوائنٹ چیفس جنرل شریف کے علاوہ کور کمانڈرز اور فضائیہ و بحریہ کے سربراہوں نے ان کا استقبال کیا۔ رسمی کلمات کے تبادلے کے بعد باقاعدہ میٹنگ کا آغاز کانفرنس ہال میں ہوا جس کی صدارت خود وزیراعظم نے کی۔ انہوں نے مختصراً پی این اے سے اپنے مذاکرات کی روداد بیان کی۔ پھر حفیظ پیرزادہ نے بھی پروفیسر غفور احمد سے اپنی بات چیت کا تفصیلی تذکرہ کیا۔ اس کے بعد میٹنگ میں شریک کور کمانڈرز نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ بات کچھ ایسے موڑ پر پہنچ گئی جہاں ماحول خاصا ناخوشگوار ہو گیا اور مسٹر بھٹو اچانک کبیدہ خاطر نظر آنے لگے اس موقع پر کوثر نیازی نے موقع و محل کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے صورت حال کو معمول پر لانے کے لئے چند کلمات کہنے کی اجازت چاہی۔ کوثر نیازی نے اپنے خطاب کے دوران کور کمانڈرز کے سامنے پانچ نکات رکھے جن کی ترتیب یوں تھی:۔

• پیپلز پارٹی کی حکومت نے انتخابات جیتے جو متنازعہ قرار پائے۔ لیکن آپ تمام حضرات نے اقتدار پر پارٹی کا استحقاق تسلیم کیا اور اس کی حمایت میں امن عامہ کی بحالی کے لئے اقدامات کرنے کی حامی بھری۔ مگر اب آپ کا کہنا ہے کہ فوج مزید ایسا نہیں کر سکتی۔

• ہم نے آپ کی رضامندی سے پی این اے سے مذاکرات کئے ان کا مطالبہ دوبارہ انتخابات کا تھا ہم نے اس کے بارے میں آپ کی رائے طلب کی تو آپ نے کہا کہ دوبارہ انتخابات کی صورت میں ملک میں کشت و خون اور انارکی کا خطرہ ہے چنانچہ ہم نے اسے بھی چھوڑ دیا۔

• ہم نے آپ کے ایماء پر ریفرنڈم کی تجویز پیش کی اور اسے پی این اے نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

• ہم نے پی این اے کا حکومت میں شرکت کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور آدھی وزارتیں انہیں دے کر مسٹر بھٹو کی سربراہی میں ایک نئی عارضی حکومت کے قیام کی کوشش کی جو کچھ عرصہ بعد ملک میں انتخابات کرا سکے۔ لیکن آپ لوگوں کا کہنا ہے کہ آخر پی این اے والے کس استحقاق کی بناء پر آدھی حکومت کے مستحق قرار پاتے ہیں، نیز یہ کہ ان میں تو بعض ایسے بھی ہیں جو قیام پاکستان ہی کے مخالف تھے اور انہوں نے آج تک دل سے پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا بلکہ ان میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جنہیں خود سپریم کورٹ آف پاکستان غیر محب وطن قرار دے چکی ہے۔ چنانچہ آپ کے نزدیک یہ تجویز بھی ناقابل عمل ہے۔

• اب پانچویں اور آخری صورت حال یہ رہ جاتی ہے کہ پیپلز پارٹی فوری طور پر اقتدار چھوڑ دے مسٹر بھٹو استعفیٰ دے دیں ان کی کابینہ برطرف ہو جائے اور اسمبلی توڑ دی جائے فوج آئے اور اقتدار سنبھال لے۔ پھر چاہے مارشل لاء نافذ کرے یا کسی اور طریقے سے جیسے وہ مناسب سمجھتی ہو حکومت کرے۔

جونہی کوثر نیازی نے اپنی بات اس پانچویں اور آخری نکتے پر ختم کی مسٹر بھٹو جذباتی انداز میں اپنی نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ایک جھٹکے سے اپنے دائیں ہاتھ کی دو انگلیاں ٹیبل پر ماریں اور بولے۔

"YES,
THIS IS THE LAST SOLUTION!
I AGREE WITH HIM. I AM JUST
READY TO GET OUT OF THE
GOVERNMENT."

یہ کہہ کر وہ اپنی کرسی پاؤں کی ٹھوکر سے پیچھے کھسکا کر پیرزادہ کی طرف دیکھ کر حفیظ پیرزادہ اور کوثر نیازی سے کہا۔ "چلو!" ان کے اس ڈرامائی اور جذباتی انداز نے تقریباً تمام ہی شرکائے اجلاس کو ششدر کر کے رکھ دیا تھا۔ سب لوگ گنگ سے کسی حالت میں مسٹر بھٹو کو دروازے کی طرف جاتے دیکھ رہے تھے جب سب سے پہلے جنرل ضیاء الحق ہی اس کیفیت کے جذباتی اثر سے باہر نکلے اور تیزی سے لپک کر مسٹر بھٹو تک پہنچے۔ انہیں بازو سے تھاما۔ اور واپس لا کر دوبارہ کرسی پر بٹھایا۔ مسٹر بھٹو بار بار یہی ایک بات کہہ رہے تھے کہ میں فوری طور پر اقتدار فوج کے حوالے کرنے پر تیار ہوں۔ آپ لوگ آئیں اور حکومت سنبھال لیں۔"

چیف آف آرمی سٹاف نے بمشکل تمام انہیں ٹھنڈا کیا۔ اور پھر نہایت سنجیدہ الفاظ میں انہیں یقین دلایا کہ فوج کسی صورت بھی اقتدار سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی، نہ ہی جرنیلوں میں سے کسی کا کوئی ایسا ارادہ ہے بلکہ ہم تو محض آرمی کے دوسرے طبقوں کے جذبات کی وجہ سے پریشان ہیں کہ لاہور اور کراچی میں مسلح افواج کے جوانوں نے عوام کے مشتعل جلوسوں کو منتشر کرنے کے لئے گولی چلانے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم آپ کی حکومت کو قانونی اور آئینی حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ اور بہرحال آپ کا ساتھ دینے کے پابند ہیں۔ لیکن افواج کے جوانوں اور دیگر افسروں کے سلسلے میں ہمیں بتایا جائے کہ ہم انہیں کس طرح مطمئن کریں۔"

اس پر مسٹر بھٹو قدرے ٹھنڈے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ مجھے اس صورت حال کا احساس ہے۔ بہرحال میں حالات کو معمول پر لانے کی اپنی سی کوشش کروں گا۔ لیکن اگر فریق مخالف میری ان کوششوں کو ناکام بنا دے تو آپ لوگ جیسا مناسب سمجھیں کریں۔"

میٹنگ ختم ہو گئی۔ جی ایچ کیو والوں نے مسٹر بھٹو کو بہ نہایت احترام کے ساتھ روانہ کیا۔ گاڑی کی پچھلی نشست پر حفیظ پیرزادہ، مسٹر بھٹو اور مولانا کوثر نیازی بیٹھے۔ اگلی نشستوں پر شوفر کے ساتھ اے ڈی سی اور ملٹری سیکرٹری بیٹھے تھے حفیظ پیرزادہ نے گاڑی میں کچھ بات کرنا چاہی تو مسٹر بھٹو نے اشارے سے انہیں منع کر دیا۔ جی ایچ کیو سے پی ایم ہاؤس تک کا سفر خاموشی سے طے ہوا۔

مسٹر بھٹو، کوثر نیازی، حفیظ پیرزادہ، اے ڈی سی اور ملٹری سیکرٹری لان میں پڑی کرسیوں کی طرف بڑھے۔ بیٹھنے سے پہلے مسٹر بھٹو نے اے ڈی سی کو حکم دیا کہ وہ اپنے کمرے میں جائے اور کافی



ریٹائرڈ جنرل ٹکا خان

بھجوائے۔ دوسری طرف ملٹری سیکرٹری سے کہا کہ تم بھی اپنے کمرے میں جاؤ اور فون کرکے جنرل عبداللہ ملک کو بلاؤ۔

اس کے بعد مسٹر بھٹو کرسی پر بیٹھے اور حفیظ پیرزادہ کی طرف رخ کرکے ان سے کہا ہاں اب تم کچھ کہنا چاہتے تھے۔ یہ جو امتیاز (ملٹری سیکرٹری) ہے۔ آرمی کا جاسوس ہے۔ اس کی موجودگی میں بات کرنے سے میں نے تمہیں اسی لئے منع کیا تھا۔"

پیرزادہ نے نہایت نیاز مندانہ انداز میں جواب دیا۔ "سر میں آپ کو مبارکباد دینا چاہتا تھا کہ آج تو آرمی کے جرنیلوں نے نہایت واضح الفاظ میں آپ کو اپنی وفاداری کا یقین دلا دیا ہے۔"

ان کی بات سننے کے بعد بھٹو، کوثر نیازی کی طرف مڑے اور بولے "تم کیا کہتے ہو؟"

"جناب مجھے پورا یقین ہے کہ جرنیل اب زیادہ دیر اپنے افسروں اور جوانوں کا دباؤ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ آج کی میٹنگ میں وہ جو بات ہمیں باور کرانا چاہتے تھے، ہمیں اس کی حقیقت کو سمجھنا ہی ہوگا۔ آرمی کسی بھی وقت ٹیک اوور کر سکتی ہے"

مسٹر بھٹو سگار کو ہونٹوں میں دبائے کافی دیر خاموشی سے کچھ سوچتے رہے اور پھر انہوں نے صرف اتنا کہا۔ "مجھے تمہاری بات سے اتفاق ہے اسی لئے میں نے از خود آرمی کو اقتدار میں شرکت کی دعوت دی تھی، اور میں اب بھی اس پر آمادہ ہوں۔ میں بھی یہ بات سمجھتا ہوں کہ اگر ضیاء یا چند اور جرنیل میرا ساتھ دینا بھی چاہیں گے تو حالات کا دباؤ انہیں بھی مجبور کر دے گا، ہمیں بہرحال کسی بھی ناخوشگوار صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔"

اتنی دیر میں جنرل عبداللہ ملک (جو ایڈجوٹنٹ جنرل تھے) آ پہنچے۔ مسٹر بھٹو بطور خاص ان پر اعتماد کرتے تھے۔ اور غالباً جرنیلوں میں وہی ان کے سب سے زیادہ قریب تھے۔ مسٹر بھٹو نے خود ہی ملک صاحب سے پوچھا "سناؤ بھئی کیا تاثرات تھے تمہارے ساتھیوں کے؟"

جنرل عبداللہ ملک نے قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ جواب دیا "سر وہ کچھ ذہنی تحفظ کے شکار نظر آتے ہیں۔"

"وہ کون کون ہیں؟ ذرا نام تو بتاؤ"، بھٹو نے پوچھا۔ اس پر جنرل ملک نے چند نام گنوائے جنہیں سن کر مسٹر بھٹو نے ایک ہی جملہ بولا اور اٹھ کھڑے ہوئے "میں ان سب کے ذہنی تحفظ کا علاج کر لوں گا۔"

اس کے بعد چار اور پانچ جولائی کی درمیانی رات تقریباً دس بجے پی ایم ہاؤس میں ہونے والی کیبنٹ میٹنگ کا ایک منظر ملاحظہ فرمائیے۔ وزیر دفاع جنرل ٹکا خان جنہیں خود مسٹر بھٹو شاذ و نادر ہی کوئی سیاسی مشورہ ان سے طلب کرتے تھے۔ میٹنگ میں نہایت زور و شور سے تقریر فرما رہے ہیں دیگر وزراء بیزاری سے پہلو بدل رہے ہیں۔

"سر! آپ مجھے اجازت دیں، میں ایف ایس ایف کے جوانوں کو اسلحہ دیتا ہوں اور دو دن میں ان سارے مولویوں کو ٹھکانے لگوا دیتا ہوں۔ چار پانچ لاکھ آدمی مر گئے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

یہ وہ جملے تھے جنہیں سننے کے بعد جنرل ضیاء الحق اور ان کے دیگر ساتھیوں کو فوری طور پر پیپلز پارٹی کی حکومت ختم کرکے اقتدار سنبھالنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ جنرل ضیاء الحق کا یہ کہنا غلط نہیں کہ اگر فوج اقتدار سنبھالنے کے سلسلے میں ذرا سی بھی تاخیر کی شکار ہو جاتی تو ملک میں اس قدر کشت و خون ہوتا جس کی نظیر تاریخ میں نہ ملتی۔ جنرل ضیاء اور ان کے ساتھی بجا طور پر ڈر گئے تھے کہ جس قسم کے لوگ مسٹر بھٹو کے ارد گرد ہیں اور جیسے جیسے اوٹ پٹانگ مشورے انہیں دے رہے ہیں، ان میں سے کسی کا مشورہ مان کر اگر چار پانچ لاکھ آدمی مروانے کا فیصلہ مسٹر بھٹو کر گزرے تو ملک کی تباہی میں کوئی کسر ہی نہ رہ جائے گی۔ جبکہ ریٹائرڈ جنرل ٹکا خان تو اس سلسلے میں مشرقی پاکستان میں اپنے "کارہائے نمایاں" کے لئے خصوصی شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ جنرل ضیاء اور ان کے ساتھیوں نے بہ امر مجبوری پاکستان کو اس تباہی سے بچانے کے لئے جو مسٹر بھٹو کے جنرل ٹکا جیسے ساتھیوں کے روپ میں سامنے آ رہی تھی فوری طور پر مسٹر بھٹو کے ساتھ آخری میٹنگ کے دوران کیا جانے والا ان کا فیصلہ تسلیم کر لیا۔ کہ "میں اقتدار فوج کے حوالے کرتا ہوں" ۔۔۔ اور اقتدار فوج نے سنبھال لیا۔

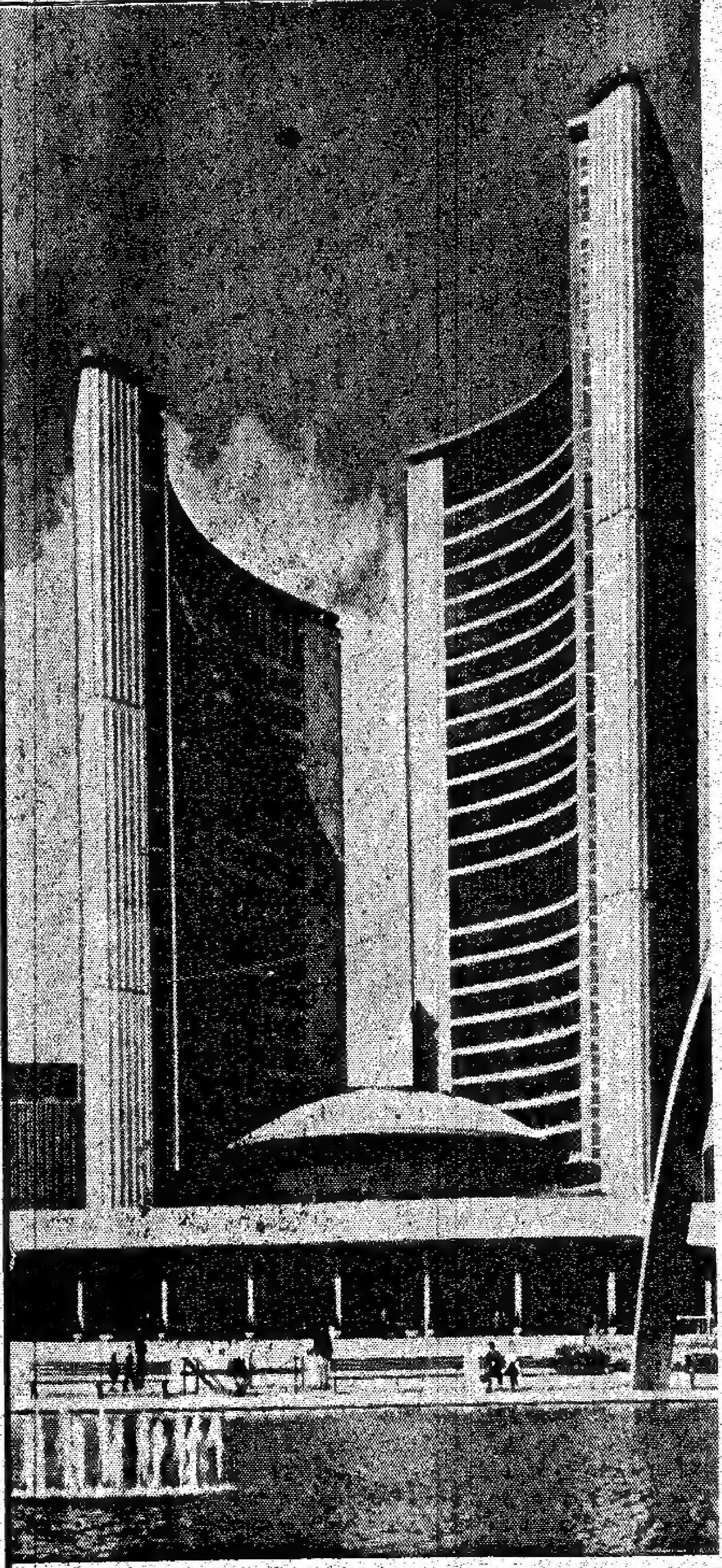
اگر پاکستان ایٹمی ہتھیار بنانا چاہتا ہے تو
دنیا کی کوئی طاقت اسے ایسا کرنے سے نہیں روک سکتی
لیکن ہم انسانیت کے دوست ہیں دشمن نہیں
اقتدار سیاستدانوں کو اسی وقت ملے گا جب وہ خود کو اس کا اہل
ثابت کر دینگے

فاران ہیرالڈ کے نمائندوں سے صدر ضیاء کی بات چیت

حکیم صاحب کو کسی نے گالی دی، کچھ نہ بولے۔ ایک دوست نے کہا جواب کیوں نہیں دیتے فرمایا کبوتر کوے کی بولی نہیں بول سکتا۔ (فیثا غورث)

ایک گدھا میدانِ سیاست میں

کل رات اک گدھے سے ملاقات ہو گئی
نام تو بے تکا تھا مگر بات ہو گئی
کہنے لگا کہ یوں تو نہیں چل سکے گا کام
کرنا پڑے گا اب تو مجھ ہی کو کچھ انتظام
مجبوراً اب میں راہِ سیاست میں آؤں گا
سوچا یہ ہے کہ اب کے الکشن لڑاؤں گا
لیڈر بنوں گا قوم کو رستہ دکھاؤں گا
باقاعدہ گدھوں کی جماعت بناؤں گا
پبلک پکار اٹھے گی کہ لیڈر ہے یہ گدھا
ہر حیثیت سے اپنا برادر ہے یہ گدھا
میرا اصول یہ ہے جیو اور جینے دو
پانی ہو یا شراب پیو اور پینے دو
میرا جلوس اٹھے گا کل لارنس باغ سے
شرکت کی التماس ہے ہر خوش دماغ سے
میں نے کہا کہ یار تمہیں کون دے گا ووٹ
طاقت تمہارے پاس نہ پاکٹ میں کوئی نوٹ
کہنے لگا کہ یاد مجھے گالیاں تو ہیں
کچھ بیوقوف ساتھ ہیں کچھ لاٹھیاں تو ہیں
پیسہ تو پاس ہے جو بہر طور چاہیے
اک رہنمائے قوم کو کیا اور چاہیے
میں نے کہا کہ جا کے سیاست میں مت پڑو
کب ہے تمہارے پاس کوئی مینی فیسٹو
معیارِ رہبری کا اب اتنا بھی مت گراؤ
بہتر یہ ہے کسی سے رقم لے کے بیٹھ جاؤ
بہتر ہے یہ اتار ہی دو لیڈری کی گون
سب رہبری کریں گے تو پیچھے چلے گا کون
کہنے لگا کہ میں بھی مشاہیر ہوں جناب
مجھ پر بھی اگلی نسل لکھے گی کوئی کتاب
تاریخ میں گدھوں کا بھی درجہ بلند ہے
حیوان سب سے پہلا ترقی پسند ہے



۸ نومبر ۸۲ء کو میونسپل الیکشن ہو رہا ہے ۔ جس کے اخراجات کم سے کم ڈھائی ملین ڈالر ہونگے ۔ اس کا بوجھ بھی ہم ٹیکس ادا کرنے والوں پر پڑے گا ۔ اگر آپ ووٹ دینے کے حقدار ہیں تو

اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کیجئے ۔

آپ فیصلہ کیجئے

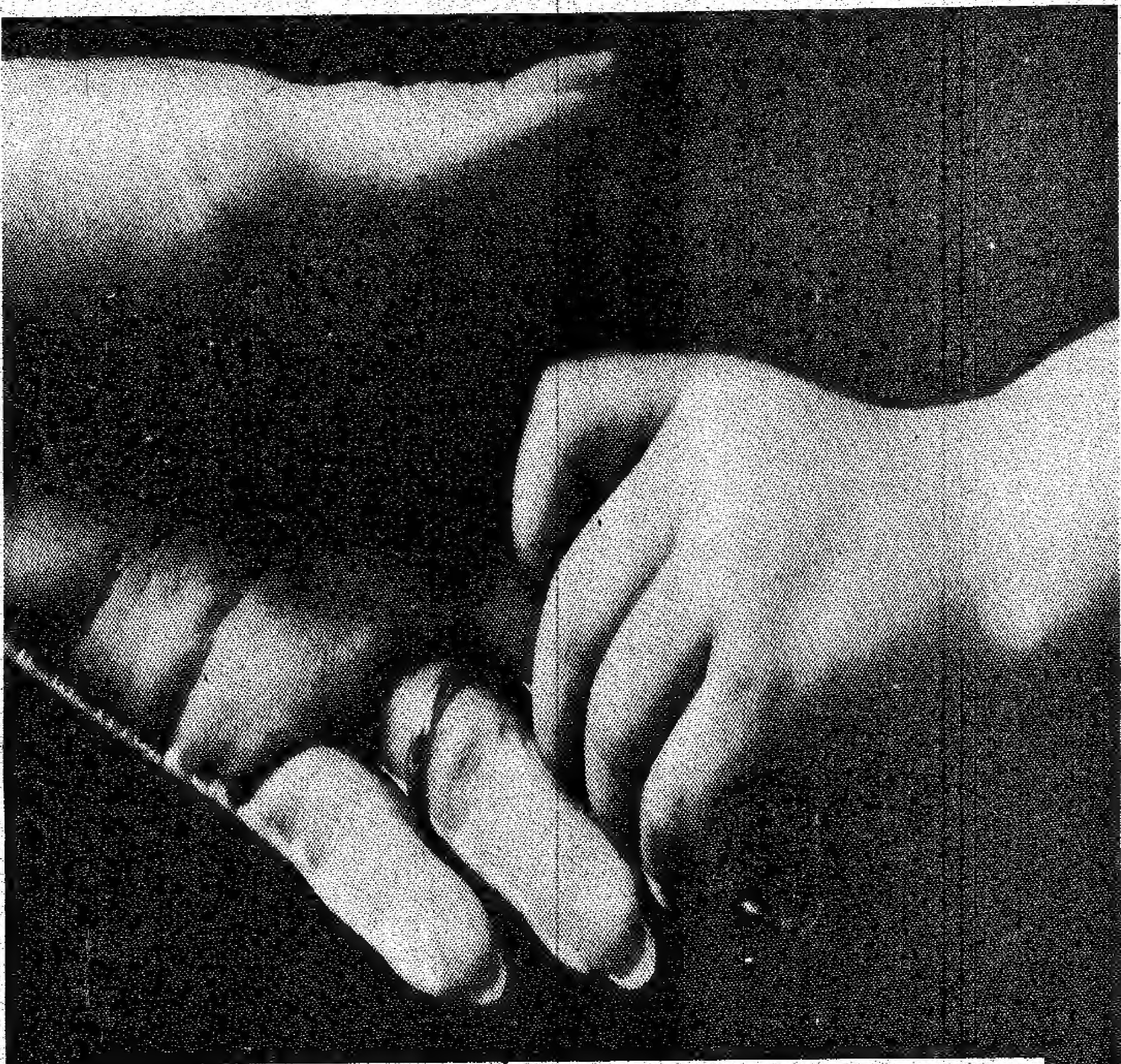
۸ نومبر

آپ کا ووٹ
آپ کے لئے ہر روز
کام کرتا ہے

۸ نومبر بروز پیر میونسپل الیکشن ہے

۸ نومبر کو آپ میونسپل گورنمنٹ اور اسکول بورڈ کے متولیوں کا انتخاب کرینگے جو آئندہ تین سال کیلئے منتخب ہونگے ۔ نمائندگان کے متعلق سوچئے ، ان کے بیانات پر غور کیجئے اور پھر فیصلہ کر کے ۸ نومبر کو ووٹ دینے کیلئے وقت نکالئے ۔

اس کے متعلق سوچئے .... اس کے متعلق پوچھئے ...... اس کے متعلق باتیں کیجئے ....



بقیہ: صفحہ اول سے آگے

جناب محمود ہارون نے کہا کہ جب امریکہ جیسی طاقت تخریب کاری کے واقعات سے پوری طرح نمٹنے میں قاصر رہی ہے تو پاکستان کس شمار و قطار میں ہے۔ یہ وہی پرانی منطق ہے جو ایشیا صرف کی قیمتوں اور پاکستان میں ہتیا ہونے والے کے بارے میں دیگر ممالک سے مقابلہ کر کے دہرائی جاتی رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب ۵ سال گزرنے کے بعد ایسا کیوں ہو رہا ہے کیا یہ اس بات کا

واضح ثبوت نہیں کہ عوام اب مارشل لاء کی طوالت سے تنگ آ گئے ہیں۔ انہوں نے جو امیدیں مارشل لاء سے باندھی تھیں وہ پوری نہیں ہوئیں۔ ان کے خیال میں اصلاح تو ایک طرف معاشرے میں مزید بگاڑ پیدا ہو گیا ہے۔ اسلامی نظام کی برکات سے مستفید ہونا تو ایک طرف وہ ایک عام طرح کے اطمینان سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔ جو ہر حکومت کا اولین فریضہ ہے۔ حکومت فساد کی بنیاد کو ختم کرنے کی بجائے لوگوں کو ہتھیار دے کر مارو یا مر جاؤ کے طریق پر عمل کرنے کے بارے میں سوچتی ہے حالانکہ ہر شریف آدمی ہتھیار رکھنے سے گریز کرتا ہے اور حکومت سے امید کرتا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری پوری کرے نہ کہ اسے خود اپنی حفاظت پر مجبور کرے۔

حکومت کی مزید فروگذاشت یہ ہے کہ وہ اسے تن تنہا سیاست دانوں کے تعاون کے بغیر ختم کرنا چاہتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ عوام سے تعاون کی اپیل بھی کرتی ہے حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ملک سیاست دانوں کے بغیر چل ہی نہیں سکتا جس نئی قیادت کی تلاش کی جا رہی ہے وہ سیاسی سرگرمیوں پر ایک عرصے سے پابندی ہونے کی وجہ سے فوری طور پر میسر نہیں آ سکتی۔ اور نہ ہی نامزدگیوں کے ذریعے اسے اپنایا جا سکتا ہے۔ اگر سیاست دانوں سے مذاکرات کر لئے جاتے یا اپریل ۱۹۷۹ء میں بھٹو مرحوم کی پھانسی کے بعد انہیں بلا شرکت غیرے حکومت کرنے کے لئے چلتا کر دیا جاتا تو آج حالات بالکل مختلف ہوتے۔ صدر مملکت سیاست دانوں کے خلاف اتنا کچھ کہہ چکے ہیں کہ اب سیاست دانوں کو لفٹ دینے میں وہ حجاب محسوس کر رہے ہیں۔ حالانکہ سیاست دانوں اور دانشوروں کا اس وقت مل بیٹھنا وقت کی اہم ضرورت ہے جب تک صدر مملکت سیاست دانوں کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر تبدیل نہیں کرتے اصلاح احوال کی کوئی امید نہیں ہو سکتی بلدیاتی کونسلروں کی جس قیادت سے انہوں نے امیدیں باندھی تھیں ان کی آپس کی سر پھٹول نے انہیں یقیناً مایوس کر دیا ہو گا۔ اور نئے انتخابات میں تو جن حضرات کے آنے کی امید ہے وہ شاید موجودہ حضرات سے بھی زیادہ درد سر ثابت ہوں۔ اس لئے اس وقت تجربہ کار محب وطن سیاست دانوں کا تعاون حکومت کے لئے ضروری ہے۔ ملک کی سلامتی اور یکجہتی کی خاطر انا کے مسئلہ کو درمیان میں نہیں آنا چاہیئے۔ موجودہ حکومت کی ہر شعبہ میں ناکامی قدم قدم پر ظاہر ہے۔ اس پر سیاست دانوں کی طرف سے جو تنقید کی جا رہی ہے اس کا حکومت کے پاس کوئی جواب نہیں۔ اسلامی نظام کے نفاذ کے کام پر علماء کی جو رائے ہے وہ کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں۔ اب جبکہ امریکہ بھی پاکستان کی امداد سے

کنی کترا رہا ہے کیونکہ لبنان کے معاملہ میں امریکہ اور روس ایک ہی سطح پر آ گئے ہیں۔ اور نہ روس کو نہ اس علاقہ میں کوئی سیاسی فوقیت حاصل رہی ہے اور نہ اب امریکہ کے مفادات اس علاقہ میں پہلے سے خطرے میں ہیں۔ پاکستان کا تن تنہا رہ جانا اور اندرونی طور پر یوں غیر مستحکم ہونا اسے روس اور بھارت کی طرف سے اور بھی خطرات سے دوچار کرے گا۔ اس لئے سیاسی مفاہمت کی جتنی اشد ضرورت اب ہے اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔

پاکستان کو امداد دینے کے بارے میں امریکہ کی حالیہ بدعہدی اور وعدہ خلافی کا خدشہ اندرا گاندھی کے دورہ امریکہ کے وقت سے پیدا ہو چلا تھا چنانچہ اب امریکی سفیر پاکستان نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ چونکہ کانگریس نے امداد کی منظوری نہیں دی

اس لئے اس امداد کو صدر ریگن کسی دوسری مد سے پورا کریں گے۔ گویا یہ ایک ناگوار خالی خرچ ہے۔ دراصل معاہدات کے باوجود امریکہ اور پاکستان کے درمیان اعتماد کی فضا اب تک پیدا نہیں ہو سکی امریکہ کو اب تک یہ یقین نہیں آیا کہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام واقعی پُرامن مقاصد کے لئے ہے یہ پتا تو اس کی بدنیتی ہے یا پھر حکومت کے ارادے ہی کچھ ایسے ہیں جن کی بھنک ان امریکی حلقوں

تک بھی پہنچ رہی ہے چنانچہ امریکہ نے تمام یورپی ملکوں کو پاکستان کو ٹھنڈے رویئے تک سے منع کر دیا ہے۔ بعض امریکی حلقے اس بات پر بھی زور دے رہے ہیں کہ مزید امریکی امداد کو پاکستان میں انسانی حقوق کی بحالی کے ساتھ مشروط کیا جائے ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق امریکی کانگریس پاکستان کے اسلامی نظام کے سب سے بڑے پروگرام کو خمینی کے پروگرام سے ملتا جلتا پروگرام قرار دے رہی ہے اور ساتھ ہی اسے یہ بھی خوف ہے کہ انتخابات کی صورت میں کہیں پھر سے پیپلز پارٹی برسر اقتدار نہ آ جائے اس سے انتخابات میں تاخیر کی بھی ایک اہم وجہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ ان حلقوں نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ امریکی امداد سے پاکستان میں فوجی حکومت کا شکنجہ مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔ اور یہ امریکہ کے لئے بدنامی کا باعث ہے۔ ساتھ ہی امریکی حلقوں کو اس بات سے بھی اعتراف ہے کہ پاکستان کے عوام امریکہ سے نفرت کرتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ اب پاکستان سے دامن چھڑانے کے لئے بہانے تلاش کر رہا ہے لبنان کے معاملے میں بھلا کب پاکستان نے امریکہ سے اختلاف کیا اور کب اسرائیل کے خلاف کوئی عملی اقدام کیا ہے بلکہ پاکستان کے عوام حکومت سے اس بے عملی کی وجہ سے ناراض ہیں۔ اب امریکہ اگر اتنے فدویانہ طرز عمل کو بھی اپنی مخالفت پر محمول کرتا ہے تو اسے سینہ زوری کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ امریکہ کی ناراضگی کی ایک اور

وجہ منشیات کی سمگلنگ بھی ہے۔ ایک خبر کے مطابق امریکہ اور یورپ کی ہیروئن کی نصف ضروریات پاکستان سے پوری ہوتی ہیں۔ اس بارہ میں پاکستان بارہا اپنی پوزیشن واضح کر چکا ہے۔ جناب جنرل فضل حق گورنر سرحد نے اپنے ایک حالیہ بیان میں کہا ہے کہ جس علاقہ میں ہیروئن تیار ہوتی ہے وہ پاکستان کے انتظامیہ کے حلقہ سے باہر ہے وہاں مکمل طور پر قبائلی نظام ہے اور ان لوگوں کا اپنا قانون ہے۔ نہ وہاں پوست کی کاشت کاری میں پاکستان کو دخل ہے اور نہ ہیروئن کی کشید میں پاکستان نے اپنے علاقہ میں یہ کنٹرول ضرور نافذ کر رکھا ہے لیکن یہ کنٹرول بھی بعض اوقات طویل سرحد کی وجہ سے غیر موثر ہو جاتا ہے۔ انہوں نے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ خود پاکستان میں نشہ بازوں کی تعداد بڑھ کر ۱۹ فیصد ہو گئی ہے حال ہی میں کوئٹہ میں ایک عالمی منشیات کانفرنس بھی منعقد کی گئی ہے جس میں اس کی روک تھام کے ذرائع پر غور کیا گیا۔ گویا جہاں تک حکومت کا تعلق ہے وہ اس سمگلنگ کو روکنے کے لئے مقدور بھر کوشش کر رہی ہے۔ روزانہ ایک نہ ایک کیس پکڑا جاتا ہے لیکن نہ معلوم کتنے مزید ایسے کیس ہوں گے جو بغیر نوٹس کے نکل جاتے ہیں حال ہی میں خود امریکہ کی ایک بندرگاہ پر کروڑوں روپے کی چرس ایک پاکستانی بحری جہاز سے پکڑی گئی ہے اس میں بھی پاکستان ہی کی بدنامی ہے اس لئے جہاں تک صدر مملکت کے حالیہ دورہ امریکہ کا تعلق ہے وہ ایک قسم کا وضاحتی انداز کا دورہ نظر آتا ہے یعنی ریگن کو ان حالات کے بارے میں صدر صاحب اپنے ملک کی پوزیشن کی وضاحت کریں گے۔ اگر یہ پوزیشن واقعی ایسی ہی ہے تو کیا ایسی امداد پر تین حرف بھیجنا بہتر نہ ہو گا جو جمہوری انتظامات کی محتاج بن کر رہ گئی ہے۔ امریکہ کی بدعہدی اور روقت پر امداد کو نہ بھیجنے کا شکوہ صدر مملکت خود ۶ فروری ۱۹۸۰ء کو بھی کر چکے ہیں کہ امریکہ نے حلیفوں کا کبھی ساتھ نہیں دیا۔ روس کی حیثیت اس کے برعکس ہے یہی حقیقت

سے باخبر ہونے کے باوجود ان کا امریکہ پر اس طرح اعتماد کرنا کسی خاص وجہ سے ہی ہو گا شاید یہ وجہ ہو کہ ایف ۱۶ صرف امریکہ دے سکتا ہے۔ اور اس طرح کی ادائیگی بھی صرف سعودی عرب ہی کر سکتا ہے جس کے خزانے امریکہ کے پاس ہیں۔ روس سے خریداری کرنے میں شاید یہ سہولتیں ممکن نہ تھیں۔ لیکن جب ایف ۱۶ نقد قیمت پر خریدے گئے ہیں اور اس میں کوئی رعایت بھی نہیں دی گئی تو پھر مسٹر ریگن کے منہ پر کھری بات کہنے میں کیا امر مانع ہو سکتا ہے۔

مسز گاندھی کا حالیہ دورہ روس ان کے دورہ امریکہ سے بھی زیادہ پاکستان کے حق میں مضر ثابت ہو سکتا ہے۔ مسز گاندھی پر علاقائی بالادستی کا جنون ابھی تک سوار ہے۔ امریکہ کی پاکستان سے یوں بے اعتنائی ان کے لئے کہیں زیادہ طمانیت بلکہ خوشی کا باعث بنے گی۔ اس سے تو کہیں بہتر تھا کہ پاکستان امریکہ سے دفاعی معاہدہ کر لیتا اور اسے ہوائی اڈے بھی دے دیتا۔ اس سے کم از کم ملکی سلامتی کی تو کوئی یقینی صورت پیدا ہو جاتی پاکستان کی غیر جانبداری نے آخر کون سا کام سدھارا ہے اب بھی اندرا گاندھی اور روس پاکستان کو ہضم کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ مسز گاندھی کا حالیہ روسی فوجوں کی واپسی کے بارے میں واضح بیان بھی ڈپلومیسی کی ایک شکل ہے مسز گاندھی مزید تین سال کے لئے غیر جانبدار تحریک کی صدر بننے والی ہیں۔ اس لئے اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس غیر جانبداری کا بھرم بھی قائم کرنے کی کوشش کرے ویسے وہ اندرونِ خانہ کیوبا سے بھی زیادہ روس کی وفادار ثابت ہوں گی۔ روس کی خاموشی کی وجہ بھی یہی مفاہمت ہے اس لئے پاکستان کے لئے مشرق و مغرب کی طرف سے خطرات بڑھ گئے ہیں۔ آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ عدم جارحیت کے بارے میں بھارت صدر مملکت کے دورہ امریکہ سے واپسی سے قبل کوئی فیصلہ نہیں کرے گا۔ اور اسے مزید طول

دے گا۔ اگر بھارت کو صدر کے دورہ امریکہ میں دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات مزید بہتر ہوتے نظر آئے تو وہ اس معاہدے سے یکسر منحرف ہو جائے گا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ افغانستان میں روسی مداخلت کو پاکستان کے سر منڈھا جا رہا ہے امریکہ کا موجودہ ظاہری رکھ رکھاؤ محض اس وجہ سے ہے کہ کہیں پاکستان روس سے صلح نہ کر لے۔ اور روس اس تاک میں ہے کہ بھارت اور پاکستان کا عدم جارحیت کا معاہدہ نہ ہونے پائے تاکہ پاکستان کی مشرقی سرحد پر دباؤ قائم رہے۔

ان حالات میں پاکستان جن سنگین حالات سے دوچار ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہیں۔ اس پر اندرون ملک یہ تخریب کاری اور حکومت اور سیاستدانوں کے درمیان یہ گہرے اختلافات ان مشکل حالات میں اور بھی اضافہ کرتے نظر آتے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلا کام حکومت کا یہ ہونا چاہیئے کہ وہ ملک کے ہر فرد کو ایک پلیٹ فارم پر لے آئے یکجہتی اور اتفاق سے راہ کے بہت سے کانٹے خود بخود نکل جائیں گے۔ اندرون ملک جس قسم کی پابندیاں عائد کر کے حکومت نے ایک ملک کو چار ستونوں میں تبدیل کر رکھا ہے اس سے ملک دشمن عناصر فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور صوبائی تعصب کو ہوا دیتے ہیں۔ اگر یہ فاقہ پاٹنے اور دور تک پھیلتے جائیں تو اس پر قابو پانا مشکل ہو گا۔ تو آئندہ بھی اس کی کوئی امید نہیں بلکہ ممکن ہے یہ اور مضبوط ہو جائے۔ اس لئے اس کا واحد علاج انتخابات ہیں۔ صدر مملکت جیسے نیک نفس بے غرض اور مخلص انسان کی قیادت میں ہی عوام اس خطرہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر سکتے ہیں۔ حالات کے مزید خراب ہونے سے قبل ایسا کرنا ضروری ہے۔ باقی رہا اسلامی نظام کے نفاذ کا کام۔ تو یہ اب نہ مارشل لاء کے لئے ممکن ہے اور نہ آئندہ ممکن ہو گا۔ اس وقت اشد ضرورت ملک کی سلامتی کی فکر کرنے کی ہے۔